محدث

وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیرا

مجلس التحقیق الاسلامی گارڈن ٹاؤن لاہور

مدیر اعلیٰ

حافظ عبدالرحمن مدنی

ماہنامہ لاہور
محدث

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی   مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہورہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے   زرِسالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر/بینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی وتحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔   ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476   موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __   www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

ماہنامہ **مُحدّث** لاہور

جلد ۸	ذوالحجہ ۱۳۹۸ھ	عدد ۱۲

فہرست مضامین

۱۔ فکر و نظر ..... غیر سودی معیشت کے قیام میں اصل رکاوٹیں ... مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ۲

۲۔ التفسیر والتعبیر ... سورۃ البقرۃ (۲۵) ... مولانا عزیز زبیدی ۱۲

۳۔ دارالافتاء ..... شریعت میں تارک نماز کا حکم ..... مولانا عبدالقادر حصاری ۲۴

۴۔ نقد و بحث ..... اشتراک فی القتل (تعزیرات اسلام) ... مولانا برق التوحیدی ۴۰

۵۔ تاریخ و سیر ..... حضرت اُبی بن کعب انصاری (سید المسلمین) .. طالب ہاشمی ۴۹

۶۔ تعارف و تبصرہ کتب .. فضائل قرآن، اسلام اور معاشی تحفظ، رجب المرجب کے کونڈوں کی کتاب، دارالاسلام اور مودودی، تعلیم القرآن، صوت الاسلام (سالنامہ) ۶۱
عزیز زبیدی، طالب ہاشمی، اختر راہی

۷۔ شعر و ادب اسیر بلندی عشق۔ اسرار احمد سہاوری ۲۳

۲۔ کمال عبدیت طاہر قریشی ۴۲

ناشر: حافظ عبدالرحمٰن مدنی ۔ تابع: چودھری رشید احمد ۔ مطبع: مکتبہ جدید پریس، ۲۸ شارع فاطمہ جناح لاہور

زر سالانہ ۱۵/- روپے ۔ فی پرچہ ۲۔ روپے

فکر و نظر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غیر سودی معیشت کے قیام میں اصل رکاوٹیں

فاضل مضمون نگار نے "غیر سودی معیشت کا ایک اجمالی خاکہ" کے عنوان سے ایک کتاب تحریر فرمائی ہے۔ یہ مضمون دراصل اسی کتاب کا ایک باب ہے، جس میں چند وہ باتیں ذکر کی گئی ہیں، جن کی وجہ سے "غیر سودی نظامِ معیشت" برپا کرنے میں دقتیں پیش آ رہی ہیں۔

موصوف گو ماہرِ اقتصادیات ہیں نہ سرمایہ دار، تاہم وہ اسلامی جذبہ سے سرشار ہیں، اس لیے جتنا بن پڑتا ہے، کیے جا رہے ہیں، اور جن ناسازگار حالات کے باوجود وہ کام جاری رکھ رہے ہیں، راقم الحروف کے نزدیک وہ ان کے نیک جذبات کی کرامت ہے۔ اگر تنہا ہیں تو گھبرائے نہیں۔ کمزور ہیں تو جھکے نہیں۔ بس ایک لگن ہے جس کی بنا پر وہ تنہا ہی تو ادارہ محسوس ہوتے ہیں۔ غریب ہیں تو صاحبِ توفیق نظر آتے ہیں۔

ہم ادارتی کالموں میں موصوف کی متذکرہ بالا تصنیف کا ایک باب ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔ (مدیر)

پچھلے ابواب میں ہم نے اسلامی احکام، موجودہ معاشی نظریات اور مختلف معیشت دانوں کے حوالے سے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ملک سے سود کا استیصال عملاً صرف ممکن ہی نہیں جاذب اور فطری بھی ہے، کیونکہ اس کے عوض اسلامی نظامِ معیشت اس سے زیادہ خوبیوں کا حامل ہے۔ سودی نظام کسی ملک کی صنعتی یا زرعی ترقی میں ممد تو ہو سکتا ہے۔ لیکن ملکی سطح پر خوشحالی کی ضمانت دینے سے قاصر ہے۔ جبکہ اسلامی نظامِ معیشت سب سے پہلے غریبوں کے مسائل حل کرنے، ان میں قوتِ خرید پیدا کرنے، سرمایہ کو متحرک رکھنے کے وسائل اختیار کر کے ملک میں حقیقی سرمایہ، ترقی اور خوشحالی کی پائیدار فضا پیدا کرتا ہے۔ ایسی تبدیلی کے لیے ہم نے ایک اجمالی خاکہ بھی پیش کیا ہے جو محض ایک گونہ رہنمائی کا کام دے سکتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ کسی انقلابی تحریک کو پروان چڑھانے کے لیے داعی تحریک کو خود اپنی ذات سے عملی نمونہ بھی پیش کرنا ضروری ہوتا ہے۔ غریب نوازی کے زبانی دعوے تو پہلے

سیاست دان بھی کرتے آئے ہیں اور اب بھی کر رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا کسی نے اپنے پاس سے بھی غریبوں کو کچھ دیا۔ زرعی اصلاحات کے نام پر غریبوں کی مدد کرنے والوں نے ایسے ایسے چکر چلا دیے کہ ہزار ہا ایکڑ کے مالکان زمین کے قبضہ سے ایک کنال زمین بھی کسی دوسرے تک نہ پہنچ سکی۔ سربراہان مملکت اگر غریبوں کو کچھ دیتے بھی ہیں تو انھیں کی جیبوں سے نکال کر، انھیں کا استحصال کر کے اس کے ایک قلیل حصہ سے غریبوں کی اشک شوئی بھی کر دیتے ہیں اور اس مادی دنیا کی تاریخ میں آپ کو یہی کچھ ملے گا۔ اس خیال کو علامہ اقبال نے انوریؔ کے حوالہ سے درج ذیل الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔

میکدے میں ایک دن اک رندِ زیرک نے کہا	ہے ہمارے شہر کا والی گدائے بے حیا!
تاج پہنایا ہے کس کی بے کلاہی نے اسے	کس کی عریانی نے بخشی ہے اسے زریں قبا؟
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی	دینے والا کون ہے؟ مردِ غریب و بے نوا
مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج	کوئی مانے یا نہ مانے، میر و سلطاں سب گدا

البتہ داعیانِ حق یا انبیائے کرام کی ہی ایک ایسی جماعت ہے جو معاشرہ کی فلاح و بہبود کی تمام تر مساعی کے لیے کچھ معاوضہ نہیں طلب کرتے۔ اور اس راہ میں مخالفین کی تکلیفوں اور دکھوں کو بڑے صبر و استقلال سے برداشت کرتے ہیں اور جس طریق زندگی کی طرف وہ دعوت دیتے ہیں اس کا ایک نمونہ اپنی ذات سے پیش کرتے ہیں۔ اسلام میں غریبوں کی امداد اور ہمدردی کا بڑا بلند درجہ ہے۔ تو اس کے داعیِ حق نے نبوت سے پہلے ہی اپنا تمام تر سرمایۂ تجارت غریبوں کے قرضے اتارنے، انھیں روزگار مہیا کرنے اور ان سے ہمدردی و دلجوئی میں صرف کر دیا تھا۔ پھر یہ داعیانِ برحق اپنے آپ کو معاشرہ کا کوئی برتر فرد تصور نہیں کرتے بلکہ اپنا معیارِ زندگی ایک عام آدمی کی سطح سے بلند کرنا پسند نہیں فرماتے۔ حضور اکرم ﷺ نے جہاں مسلمانوں کو سادگی اور کفایت شعاری کا سبق دیا وہاں خود بھی سادگی کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ مدنی دور میں جب فتوحات سے بکثرت مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا اور معاشرہ خوشحال ہو گیا تو یہ صورتِ حال دیکھ کر ازواجِ مطہرات نے حضور اکرم ﷺ سے مطالبہ پیش کر دیا کہ انھیں بھی نان و نفقہ پہلے سے زیادہ دیا جائے تاکہ وہ بھی دوسرے عوام کی طرح کچھ خوشحال زندگی بسر کر سکیں۔ ان کے اس مطالبہ سے آپ کو اتنی تکلیف پہنچی کہ آپ نے گھر بار چھوڑ کر مسجد میں جا قیام فرمایا اور بیویوں سے قطع تعلق کر لیا۔ اسی طرح پورا ایک ماہ گزر گیا تو خدائی احکامات نازل ہوئے کہ ”آپ اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تمھیں دنیا کا تعیش ہی مطلوب ہے تو کوئی اور جگہ دیکھو۔ تمھارا مطالبہ پورا کیا جائے گا لیکن اس کے بعد میرے ہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں“۔ اس تنبیہ

کے سامنے ازواج مطہرات نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور اپنے مطالبہ سے دستبردار ہو گئیں ۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ دنیوی ساز و سامان اور تعیش کو اپنی ذات کے لیے ناپسند فرماتے تھے ۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ انہی ایام میں مَیں مسجد میں حضورِ اکرم کے حجرۂ مبارک میں آیا تو دیکھا کہ آپ کھجور کے پتوں کی ایک چٹائی پر ننگے بدن لیٹے ہوئے ہیں ۔ میرے آنے پر اٹھ کر بیٹھ گئے ۔ میں نے دیکھا کہ آپ کی پشت پر چٹائی کے پتوں کے گہرے نشان پڑ گئے ہیں ۔ ایک طرف پانی کا ایک مشکیزہ پڑا ہے اور دوسری طرف ستوؤں کی ایک پوٹلی رکھی ہوئی ہے ۔ بس یہی کچھ سرمایۂ حیات موجود تھا ۔ اللہ اللہ ! اسلامی سربراہِ مملکت کی یہ شانِ بے نیازی — یہ منظر دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے ۔ حضورؐ نے رونے کا سبب پوچھا تو عرض کی کہ قیصر و کسریٰ تو عیش کریں اور آپ کا یہ حال رہے ۔ اجازت ہو تو ہم کچھ سامان مہیا کریں ۔" آپ نے فرمایا "عمر! کیا تم اس پر خوش نہیں کہ یہ لوگ دنیا لے جائیں اور ہمیں آخرت ملے ۔"

سادہ زندگی گزارنے میں خلفائے راشدین بھی اسی طریقہ پر کاربند رہے ۔ وہ بیت المال سے ایک عام آدمی کے اخراجات کے مطابق تنخواہ وصول کرتے تھے ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا خلافت سے پہلے یہ حال تھا کہ روزانہ نفیس سے نفیس تر پوشاک زیبِ تن فرماتے اور بہتر سے بہتر گھوڑا سواری کو موجود ہوتا ۔ مگر جب خلافت کی ذمہ داری سر پر آ پڑی تو تمام تر آرائشوں اور آسائشوں کو خیرباد کہہ دیا ۔ اپنا تمام تر اثاثہ بیت المال میں جمع کرا دیا اور اپنی بیوی سے فرمایا "اگر تم بھی اپنے زیورات اور قیمتی کپڑے بیت المال میں جمع کرا دو تو خیر ورنہ چھٹی کرو ۔" اس اطاعت شعار بیوی نے بھی اپنا سب کچھ قیمتی اثاثہ بیت المال میں جمع کرا دیا اور خود غریبانہ زندگی گزارنے کو ترجیح دی ۔

ایسے واقعات سے تاریخ کے اوراق اٹے پڑے ہیں یہ چند ایک مثالیں نمونۃً اس غرض کے لیے پیش کی گئی ہیں کہ کسی تحریک کے داعی میں جس قوت سے یہ جذبہ کارفرما ہوتا ہے اتنا ہی وہ خود اس پر عمل پیرا ہو کر دوسروں کے سامنے وہ اس کی حقانیت کی شہادت پیش کرتا ہے اور اسی قدر وہ تحریک پروان چڑھتی ہے ۔ کوئی تحریک محض تقریریں کرنے ، پراپیگنڈہ کرنے یا پمفلٹ وغیرہ چھاپ کر تقسیم کرنے سے کامیاب نہیں ہو سکتی جبکہ اس کے ساتھ ساتھ عملی مظاہرہ نہ ہو ۔ جو بات صرف زبان سے نکلتی ہے وہ کانوں سے آگے نہیں جاتی اور جو بات دل سے کہی جاتی ہے وہی بات دل میں اترتی ہے ۔ لہٰذا ہمیں سنجیدگی سے دیکھنا ہو گا کہ جو لوگ اسلامی نظام بپا کرنے میں پیش پیش ہیں ، آیا ان کی عملی زندگی بھی ان کے نظریات سے مطابقت رکھتی ہے ۔

موجودہ عبوری حکومت نے اسلامی نظام کی ترویج کا اعلان کرکے چند در چند عملی اقدامات کرکے کافی حد تک ذمہ داری عوام کے سر پر ڈال دی ہے۔ عام سیاست دانوں کی بات تو چھوڑیے ان پیشہ ور لوگوں کو تو عوام کالانعام کو اُلو بنانے کی مہارت ہوتی ہی ہے۔ ان کا اپنا اصول کچھ نہیں ہوتا۔ ان کی دکان پر جو سودا زیادہ بکے وہی کچھ وہ تیار کرلیتے ہیں۔ ہمارے علمائے کرام اور مشائخ عظام، جو عملاً اس تحریک میں حصہ لے رہے ہیں۔ ان کی گھریلو زندگی پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ ابھی اس معیار پر پورے نہیں اترے۔ ہمیں یہ اعتراف ہے کہ ان مقدس ہستیوں کے دم قدم سے آج ہم اسلام کا نام لے رہے ہیں۔ لیکن صدیوں سے ایک خاموش تحریک اپنی نشاۃِ ثانیہ کے لیے اس سے بہت زیادہ قربانی چاہتی ہے۔ ان علماء و مشائخ میں سے کافی تعداد ایسے حضرات کی بھی ہے جن کے گھر بار عیش و عشرت کا گہوارہ بنے ہوئے ہیں۔ اپنی سواری کے لیے اگر بہترین کار موجود ہے تو بچوں کے کالج جانے کے لیے الگ الگ سکوٹر ہیں۔ رہی دینی تعلیم؟ تو گھریلو ماحول دینی ہونے کی وجہ سے ان کے کانوں نے جو کچھ شعوری یا غیر شعوری طور پر سن لیا وہی کچھ کافی سمجھا گیا۔ البتہ بیشتر توجہ کالج کی اعلیٰ تعلیم پر ہے۔ فریج، ٹیلیویژن، صوفے اور قالین کسی چیز کی کمی آپ محسوس نہیں کریں۔ گھر کی فضا دیکھیے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فیشن اپنی تمام جدیدیت کے ساتھ یہاں آبسا ہے۔ رشتوں، ناتوں میں دینداری کی بجائے دنیوی جاہ و حشم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ خورد و نوش کا سامان ملاحظہ فرمائیے تو کسی متمول گھرانہ سے کم تر نہ ہو گا۔ پھر ان میں سے اکثر حضرات کی آمدنی کے وسائل بھی محدود ہی نظر آتے ہیں۔ البتہ نذرانوں کی لامحدود آمدنی ہی ایسے اخراجات کی متحمل ہو سکتی ہے۔ ان نذرانوں کے متعلق نہ تو یہ تحقیق ضروری سمجھی جاتی ہے کہ یہ کس طرح کی کمائی کا حصہ ہیں اور نہ ہی ان کا کچھ حصہ دوسروں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ غور فرمائیے کہ ان لوگوں کی بات کیا اثر رکھے گی اور وہ اثر کتنی دیر تک قائم رہ سکتا ہے؟ جب یہ حضرات تقریر کر رہے ہوتے ہیں کہ حضور اکرمؐ کے ہاں کئی کئی دن فاقہ رہتا تھا۔ دو دو ماہ تک آگ نہ جلتی تھی اور فقط کھجور اور پانی پر گزر اوقات ہوتی تھی۔ آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح یوں سادگی سے سرانجام دیا۔ حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے تھے۔ اب سامعین میں سے جو لوگ ان کے کردار اور گھریلو ماحول سے واقف ہوتے ہیں وہ ان کے متعلق کیا خیال کرتے ہوں گے۔ اور وہ کیا اثر قبول کریں گے۔ یہ کوئی منظر کشی کی بات نہیں واقعاتی دنیا میں ایسے اعتراضات اٹھ چکے ہیں۔ اسی لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ (۶۱/۲-۳)

"اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ اللہ کے ہاں یہ بڑی بیزاری کی بات ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم خود نہیں کرتے۔"

لہٰذا جب تک داعیانِ تحریک اپنی ذات اور اپنے گھر سے اس کا عملی نفاذ کا نمونہ شروع نہ کریں گے تحریک آگے نہ بڑھے گی، خواہ نظریاتی طور پر وہ کتنے ہی مخلص کیوں نہ ہوں۔ ایک دیہاتی غریب کی جب تک عملاً امداد نہ کی جائے۔ اسلامی نظامِ معیشت کی برکات وثمرات کا پرچار اس پر کیا اثر کرے گا، تحریک کی کامیابی یا ناکامی کی ذمہ داری ہمارے سر پر نہیں۔ لیکن انفاق فی سبیل اللہ اور ابتدائی شرائط کی ادائیگی کی ذمہ داری ضرور ہے اور اس کا بہرحال فائدہ ہی فائدہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ شرط یہ ہے کہ یہ کام سیاسی اغراض کے بجائے محض اللہ کی رضاجوئی کے لیے کیا جانا چاہیے۔ اسلامی نظام کی ترویج میں تاخیر کا یہ ایک بڑا سبب ہے۔

ان داعیانِ تحریک کے بعد دوسرے درجہ پر تاجر اور صنعت کار دونوں کا طبقہ ہے۔ جو دیکھنے میں صوفی، باریش نمازی بھی ہیں اور حاجی بھی، اور تحریک نظامِ مصطفیٰ کے سرگرم کارکن اور داعی بھی ہیں۔ یہ لوگ اپنے کاروبار کو چلانے کے لیے، کاروباری مجبوریوں کے نام پر، کچھ تو حیات بخش خون بنکوں سے حاصل کرتے ہیں اور اس حیات بخش خون کا کثیر حصہ دوسرے "ذرائع" سے خود ہی حاصل کر لیتے ہیں۔ ایک صنعتکار اگر کسی سال ایک کروڑ روپے کی مالیت کی ایک مل لگاتا ہے تو دوسرے ہی سال اس جیسی ایک اور مل کی تیاری شروع کر دیتا ہے۔ اسی طرح ایک تاجر کو اپنا کاروبار شروع کیے چھ ماہ نہیں گزرنے پاتے کہ وہ ایک عالی شان مکان کی تعمیر شروع کر دیتا ہے۔ عام آدمی تو زندگی بھر ایک سادہ سے مکان کی تعمیر کی آرزو میں زندگی گزار دیتا ہے اور بسا اوقات اسے یہ توفیق نصیب نہیں ہوتی، وہ بے چارا کرایہ کے کمرہ میں ہی بسر اوقات کر کے راہی ملکِ عدم ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ طبقہ دولت سمیٹنے کے فنون سے کچھ ایسا آگاہ ہوتا ہے کہ مایا دیوی خود آ کر ان کے قدم چومتی ہے یہ لوگ غالباً اس خیال سے تحریک کے مددگار بنے تھے —— اور خدا کرے یہ خیال غلط ہو —— کہ اسلامی نظام چونکہ انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کرتا ہے لہٰذا ان کی املاک کو تحفظ حاصل ہو جائے گا اور کارخانے وغیرہ قومی تحویل میں نہ لیے جا سکیں گے۔ مگر یہ لوگ دراصل ایسا اسلام چاہتے ہیں جو ان کے کاروباری معاملات میں کوئی مداخلت پیدا نہ کرے۔ نہ ان کے "حیات بخش خون" کے

کے کسی ذریعہ پر اس کی زد پڑے۔ ناپ تول کی خرابی۔ ملاوٹ، ٹیکس کی چوری، ناجائز منافع خوری، چور بازاری اور سودی لین دین وغیرہ سب کچھ ہی برقرار رہے۔ بھلا ایسے بے مزہ اسلامی نظام پر کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ البتہ جب انھیں ایسے "خدشات" بھی دکھائی دینے لگتے ہیں تو یہ لوگ تذبذب میں پڑ جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے زر پرستانہ ذہن کی پاکیزہ اسلامی تعلیمات کے ذریعے تطہیر کی بھی شدید ضرورت ہے۔

یہ تو تھے اپنوں سے گلے شکوے پھر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو فی الواقعہ اسلامی نظام میں رکاوٹ کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ کہنے کو تو یہ بھی مسلمان ہیں مگر کھل کر سامنے بھی نہیں آتے۔ ان کا ذہن ملحدانہ اور یکسر غیر اسلامی اقدار کی طرف مائل ہوتا ہے۔ دورِ غلامی میں غیر ملکی فرنگیوں نے اور اسی طرح پاکستان کے مختلف ادوار میں مخالفِ اسلام اقدار نے اپنے مشن کے تحت سیکولرازم کا زہریلا بیج بو دیا۔ پھر اس کی مغربی فلسفے پر مبنی علوم کے ذریعے، مستشرقین کی تحقیقاتوں کے ذریعے، لادینی ثقافتوں اور کئی دوسرے ذرائع سے آبیاری کی جاتی رہی۔ تاآنکہ مسلمان خود بھی اسلام کو ایک فرسودہ نظام اور رجعت پسندانہ اقدام قرار دینے لگا۔ ان میں سرفہرست "ترقی پسندوں" کا وہ طبقہ ہے جو انتظامیہ کی کلیدی اسامیوں پر براجمان ہے۔ یہ سول سروس کے کارپردازان عموماً سیکولرازم کے محافظ اور پناہ گاہ بن چکے ہیں اور بیرونی تہذیبوں اور ثقافتوں کے ایجنٹ ہونے کی وجہ سے ان سے رابطہ بھی قائم رکھتے ہیں اور ان کے اپنے مخصوص نظریات و مقاصد ہوتے ہیں۔ اپنی خوشامدانہ پالیسی کی بنا پر ہر نئی آنے والی حکومت کو اپنے دام تزویر میں پھانس لینا ان کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہوتا ہے لیکن جب کوئی بات اپنے نظریات و مقاصد کے خلاف دیکھتے ہیں تو نہایت عاجزی سے ایسے اعتراضات اور الجھنیں پیدا کر دیتے ہیں کہ خود حکومت کو ان کے سامنے گھٹنے ٹیکنا پڑتے ہیں۔ یا اپنی روایتی نااہلی اور بددیانتی کے سبب سے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کر کے معرض التوا میں ڈالے رکھتے ہیں اور اگر کوئی حکومت اپنے عزائم میں مضبوط ہو تو یہ زیرِ زمین ایسا ایسا چکر چلا جاتے ہیں کہ خود اس حکومت ہی کا تختہ الٹ کر رکھ دیتے ہیں لہٰذا ان لوگوں کے عزائم سے محتاط رہنا ضروری ہے۔

ایک دوسرا طبقہ ماہرین معاشیات کا ہے۔ ظاہر ہے کہ کوئی اقتصادی سکیم ان ماہرین کے تعاون کے بغیر نہیں چل سکتی۔ انھیں سیکولر نظامِ تعلیم یا خالص مادی نظامِ معیشت نے جو مواد درآمد کیا ہوتا ہے اسی کے تحت ہی یہ غور فرما سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں سیکولر انتظامیہ انتظامیہ کا کل پرزہ بن کر رہنے کی وجہ سے ان کی ذہنی ساخت کچھ ایسی جامد بن جاتی ہے کہ ان میں نئے نہج پر نئے اصولوں کے

مطابق کام کرنے کے لیے تخلیقی ذہن موجود ہی نہیں ہوتا لہٰذا یہ لوگ کسی بھی نئی اسکیم کا جائزہ لینے، اس پر غور و خوض کرنے، سیمینار قائم کرنے اور بحث تمحیص کیے بغیر اس کو ناقابلِ عمل قرار دے دیتے ہیں۔ موجودہ نظامِ سود کو ختم کرنے کے نقصانات اور اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ملکی بدحالی کا تصور کچھ اس طرح ذہن نشین کراتے ہیں کہ جہاں یہ طلسم ٹوٹا، بس سب کچھ تہس نہس ہو کر رہ جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ایک ماہرِ فن پوری تحقیق کرنے کے بعد اپنے مقامِ بلند سے ایسا فتویٰ صادر کر دے تو ہم عامیوں کو سرِ تسلیم خم کرنا ہی پڑے گا۔

معاشی قوانین کا ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ وہ مشروط ہوتے ہیں یا بالفاظِ دیگر کچھ مفروضات پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان کے بیان کرنے سے پیشتر یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ "اگر دوسرے حالات برقرار رہیں تو" اس قانون مثلاً قانونِ رسد یا طلب کا رجحان ایسا ہوگا۔ اور دوسرے حالات اکثر برقرار نہیں رہتے۔ بسا اوقات ایسا ہی ہوا ہے۔ مثلاً یہ آبادی کا مسئلہ ہی لے لیجیے۔ اس مسئلہ کو مشہور برطانوی معیشت دان مالتھس نے اپنی کتاب "آبادی کے اصول" پر مقالہ ۱۷۹۸ء میں پیش کیا تھا کہ آبادی جیومیٹری کی تدریجی رفتار سے یعنی ۱، ۲، ۴، ۸، ۱۶، ۳۲ ...... کی رفتار سے بڑھ رہی ہے اور وسائلِ پیداوار حساب کی تدریجی رفتار سے یعنی ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ ...... کے حساب سے بڑھتے ہیں۔ لہٰذا اگر آبادی کی پیدائش پر کنٹرول نہ کیا گیا تو انسانیت کا مستقبل نہایت بھیانک ہے۔" لیکن تاریخ نے اس پیشین گوئی کو غلط ثابت کر دیا اور آج پونے دو صدیاں گزرنے کے بعد برطانیہ اس دور سے آج کہیں زیادہ خوشحال ہے۔ لہٰذا مالتھس کے بعد میں آنے والے معیشت دانوں نے "جھوٹا پیشین گو" کے نام سے اسے یاد کیا اور اس کے اس نظریہ کو غلط ثابت کرنے والے یہ "دوسرے حالات" ہی تھے۔ برطانیہ میں صنعتی انقلاب کی داغ بیل مالتھس کی زندگی ہی میں پڑ چکی تھی جس کا خود اس نے ذکر بھی کیا ہے پر صنعتی ترقی کتنی ہوگی اور کہاں تک پہنچے گی اس کا اندازہ کرنے سے قاصر رہا۔

خاندانی منصوبہ بندی پاکستان میں بھی رائج ہے کہ اس محکمہ کی تمام تر سرگرمیاں کچھ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئیں۔ کیونکہ "دوسرے حالات" نہ کسی معیشت دان کے اختیار میں ہیں اور نہ معاشرہ کے اختیار میں وہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ آج سے بیس پچیس سال پہلے چار بچوں والا کنبہ افرادی لحاظ سے متوسط متصور ہوتا تھا۔ ایسے کنبہ کو نہ چھوٹا کہہ سکتے تھے اور نہ بڑا۔ لیکن اس محکمہ کی سرگرمیوں کے بعد قدرت کی ستم ظریفی دیکھیے کہ موجودہ دور میں تقریباً ۸ بچوں والا کنبہ متوسط سمجھا جاتا ہے۔ شرح پیدائش میں یکدم ایسی تیز رفتاری کو کون سے معاشی قانون کے تحت

لایا جا سکتا ہے؟ کہیں قدرت ہمارا منہ تو نہیں چڑا رہی۔

دراصل موجودہ قوانین معیشت اور اسلامی نظام معیشت میں جا بجا نظریاتی تضاد اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے۔ آبادی کا مسئلہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔ موجودہ علم معیشت اس بات پر زور دیتا ہے کہ:

انسانوں کی تعداد کو ذرائع پیداوار کے مطابق رکھا جائے۔ جب کہ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ ذرائع کو انسانی ضرورتوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔ اہم چیز انسان ہے نہ کہ ذرائع۔ ذرائع کے متعلق واضح ارشاد ہے۔

وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ.

یعنی پیداوار کے تمام تر وسائل تو اللہ کے اختیار میں ہیں۔ جن میں وہ ہر وقت اپنے اندازے کے مطابق کمی بیشی کر سکتا اور کرتا رہتا ہے۔ اسلام نے ذرائع کے مقابلہ میں انسان کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ فرمایا:

لاتقتلوا اولادکم خشیة املاق نحن نرزقهم وایاکم ان قتلهم کان خطأً کبیرا (۱۷/۳۱)

"اپنی اولاد کو مفلس ہو جانے کے خوف سے قتل نہ کرو۔ انہیں رزق ہم دیں گے اور تمہیں بھی ہم ہی دیتے ہیں۔ بلاشبہ ان (نوزائیدہ بچوں) کا قتل جرمِ عظیم ہے۔"

یہ درست ہے کہ پاکستان میں آبادی کا دباؤ بڑھ رہا ہے۔ لیکن اس کا حل یہ نہیں ہے کہ پیدائش پر بندش عائد کی جائے بلکہ اس کا صحیح حل یہ ہے کہ وسائلِ رزق میں وسعت پیدا کی جائے۔ پاکستان اللہ کے فضل سے لامحدود ذرائع سے مالا مال ہے۔ آئے دن تیل، تانبا اور دوسری معدنیات کے سراغ کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ پاکستان میں محنت ۔ یعنی جفاکشی اور مہارت ۔ جس کا سب سے بڑا عامل ہے کی نظیر دنیا بھر میں نہیں ملتی۔ لیکن اگر ہم سیاسی الجھنوں اور اقتدار کے پیچھے پڑ کر ان سے فائدہ حاصل کرنے کی طرف توجہ نہ دے سکیں تو اس میں قدرت کا کیا قصور؟

اسی طرح ایک دوسرا اقتصادی مسئلہ خوراک بھی دیکھ لیجیے۔ ریڈیو اور سے ہم یہ سنتے آ رہے ہیں کہ بس اس سال سے پاکستان خوراک کے مسئلہ میں خود کفیل ہو جائے گا۔ ماہرین معاشیات کی پیشنگوئیاں بھی ہوتی ہیں۔ حکومت معیشت کرتی ہے۔ تمام تر وسائل بھی مہیا کیے جاتے ہیں لیکن آج تک یہ خود کفالت میسر نہیں ہو سکی۔ آج بھی غلہ باہر سے آتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ "یہ دوسرے حالات"

مثلاً زیادہ بارش ہونا، سیلاب آنا، بے وقت بارش ہونا، زمین کا سیم تھور بنتے جانا، زمین میں کٹاؤ واقع ہونا، فصل کو کیڑا لگ جانا۔ یہ سب حالات نہ ماہرین کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور نہ حکومت کے اختیار میں۔ اور جس مقتدر ہستی کے ہاتھ میں ان "دوسرے حالات" کی باگ ڈور ہے وہ ناہموار معیشت یعنی آبادی زیادہ اور وسائل کم ہونا۔ وسائل سے پوری طرح استفادہ نہ کر سکنے کی وجہ سے قومی آمدنی یا فی کس آمدنی کا کم ہونا ــــ کے اسباب اور علاج کچھ اور ہی تشخیص فرماتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔

واما اذا ما ابتلٰه فقدر علیه رزقه فیقول ربی اهانن ٭ کلا بل لا تکرمون الیتیم ٭ ولا تحٰٓضون علی طعام المسکین ٭ و تاکلون التراث اکلا لما ٭ و تحبون المال حبا جما (۸۹/۱۵ تا ۱۹)

"اور جب اللہ تعالیٰ انسان کو (دوسری) آزماتا ہے اور اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو انسان کہنے لگتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری ناقدری کی۔ بات یوں نہیں بلکہ تم لوگ نہ تو یتیم کی خاطر کرتے ہو، نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی طرف توجہ دیتے دلاتے ہو۔ پھر وراثت کا سارا مال خود ہی ہڑپ کر جاتے ہو اور دولت کی محبت تمہیں بہت عزیز ہے۔

ان آیات میں کسی فرد یا قوم پر وسائل خوراک کی تنگی کے اسباب یہ بیان فرمائے گئے ہیں کہ مال و دولت سے ایسی بے پناہ محبت کہ انسان دوسروں کے حق کی بھی پروا نہ کرتے ہوئے خود سمیٹتا جائے اور بخل کی انتہا یہ ہے کہ معاشرہ کے یتیم و بے نوا کی بھوک اور افلاس کا خیال تک بھی نہیں کرتے یہ نقائص اگر دور کر دیے جائیں تو دوسرے حالات خدا تعالیٰ خود سازگار بنا دے گا۔

موجودہ ماہرین کی نظر صرف موجودہ وسائل اور حالات پر ہوتی ہے۔ ان کے مطابق وہ ایک نتیجہ پیش کرتے ہیں لیکن پیش آمدہ حالات کی تبدیلی ــــ جس سے نتائج کچھ سے کچھ ہو سکتے ہیں، اور جس کا انہیں اعتراف بھی ہے ــ تو پھر آخر کس برتے پر ان قوانین پر اس قدر تکیہ کیا جائے کہ جہاں کہیں ان کے نظریات اور الہامی نظریات میں ٹکراؤ ہو تو ہم دونوں کے نفع و ضرر کا توازن و تقابل کرنے لگ جائیں۔

تاہم اگر ان ماہرین سے کام لینا ہی ہے تو اس کا بس ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ ان پر

لہ یہ آیات مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئیں جبکہ ابھی احکام میراث نازل نہیں ہوئے تھے۔

واضح کر دیا جائے کہ غیر سودی نظام رائج کرنا ہے اگر وہ اس کے لیے کوئی عملی خاکہ پیش کر سکتے ہیں تو بہتر ورنہ انہیں چھٹی کرنا ہوگی۔ غالب گمان یہی ہے کہ اس طریقہ سے وہ کچھ اپنے ذہن پر بار ڈال کر کوئی صورت پیدا کر لیں گے اور اگر نہ کر سکیں تو پھر ان ٹیکنیکل ماہرین سے اَن ٹیکنیکل ہنیڈ بدرجہا بہتر ثابت ہوں گے جو اسلامی نظریۂ حیات پر مضبوط عقیدہ رکھتے ہیں۔ جو دل و جان سے اس کو تسلیم کرتے اور اس کی راہ میں پیش آمدہ رکاوٹوں کا ہر طور سے مقابلہ کرنے کو تیار رہیں اور ایسے لوگوں کا آج بھی ہمارے ہاں فقدان نہیں ہے جو عملاً اس نظام کو رائج کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ لوگ ابتدا میں اگر کچھ غلطی بھی کریں گے تو بہت جلد سنبھل جائیں گے۔ آخر ان ماہرین کے تیار کردہ کئی منصوبے ناکام ہو جاتے ہیں اس لیے ان خطرات کو کچھ وقعت نہیں دینی چاہیے بلکہ

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے دہر میں اسمِ محمد سے اجالا کر دے

کے مصداق کام کا آغاز کر دینا چاہیے۔ ورنہ اسلام کے دعویٰ سے دستبردار ہو جانا چاہیے۔ (عبد الرحمٰن کیلانی)

"فاران" کا "ماہر القادری" نمبر

کراچی اپ۔ر ا برصغیر پاک و ہند کے مشہور ادیب و شاعر یگانۂ روزگار محقق و نقاد اور جریدہ "فاران" کے بانی و مدیر مولانا ماہر القادری مرحوم کی یاد میں ادارہ "فاران" نے ایک ضخیم خصوصی نمبر شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس میں جناب ماہر القادری کی شخصیت و شاعری علمی قومی خدمات اور بامقصد صحیفہ نگاری جیسی نمایاں خصوصیات پر بلند پایہ مضامین شامل ہونگے ملک و بیرون ملک کے نامور ادباء و شعراء کا قلمی تعاون متوقع ہے۔ مولانا کے برادر عزیز ماہنامہ "فاران" کے موجودہ مدیر مسرور حسین نے حلقہ احباب ماہر ان کے مداح اور ہم عصر اہل قلم حضرات سے درخواست کی ہے کہ اپنے نثری و منظوم رشحاتِ قلم "تاثرات اور یادداشتیں اس خصوصی نمبر کے لئے جلد ارسال فرماویں۔ حتی المقدور کوشش کی جائے گی کہ معیاری نگارشات کتابت و طباعت کے اعتبار سے بھی ماہر القادری نمبر کے شایانِ شان ہو۔ تاکہ اک حق پرست انسان ہر دلعزیز شاعر اور باکمال نقاد کی حیثیت سے ماہر صاحب کی گراں قدر خدمات کو بھرپور خراجِ عقیدت پیش کیا جا سکے ترسیلِ مضامین اور معلومات کے لئے مندرجہ بالا پتے سے رابطہ قائم کریں

ماہنامہ "فاران" ای ۲/۱۷ ناظم آباد نمبر ۴ کراچی (پاکستان)

التفسیر والتعبیر

مولانا عزیز زبیدی

سُوْرَةُ الْبَقَرَة

(قسط ۲۵)

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ

اور (وہ واقعہ بھی یاد کرو) جب (حضرت موسیٰ) نے اپنی قوم کے لیے پانی کی درخواست کی تو

الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا

ہم نے فرمایا (اے موسیٰ!) اپنی لاٹھی پتھر پر مارو (لاٹھی کا مارنا تھا کہ) اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے

لہ اِذْ (جس وقت، کیونکہ، ناگاہ) اس کا استعمال چار طرح پر ہوتا ہے (۱) زمانہ ماضی کا اسم (تام) ہو، اس کی پھر چار صورتیں ہیں۔

ع۱ اکثر بطور ظرف آتا ہے، یعنی ماضی میں فلاں بات ہوئی۔ فقد نصرہ اللہ اذ اخرجہ الذین کفروا (۲) دوسری صورت یہ کہ وہ مفعول بہ واقع ہو۔ وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا قصص کے شروع میں قرآن میں جہاں یہ آیا ہے، وہاں مفعول بہ ہو کر آیا ہے: وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یا وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ یا اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ (۳) تیسری شکل یہ ہے کہ وہ مفعول سے بدل ہو جیسے وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ اس میں اِذِ انْتَبَذَتْ، مَرْيَمَ سے بدل ہے (۴) چوتھا اس کا رنگ یہ ہے کہ: اسم زماں اس کی طرف مضاف ہو جیسے يَوْمَئِذٍ یا حِيْنَئِذٍ۔ جمہور کے نزدیک یہ صرف ظرف یا مضاف الیہ واقع ہوتا ہے۔ وَزَعَمَ الْجُمْهُوْرُ اَنَّ اِذْ لَا تَقَعُ اِلَّا ظَرْفًا اَوْ مُضَافًا اِلَيْهَا (مغنی لابن ہشام ص۵۲ ۔ طبع بمبئی)

(۲) اس کا دوسرا استعمال یہ ہے کہ وہ زمانہ مستقبل کا اسم (تام) واقع ہو، مثلاً يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا لیکن جمہور نحات اس کو تسلیم نہیں کرتے۔

۳۔ تیسرا یہ کہ وہ کسی سابق معاملہ کی علت واقع ہو جیسے لَنْ یَّنْفَعَکُمُ الْیَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّکُمْ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِکُوْنَ۔ لیکن جمہور اسے بھی تسلیم نہیں کرتے۔

۴۔ چوتھا استعمال یہ ہے کہ "مفاجات" (اچانک، ناگاہ) کے معنی میں مستعمل ہو اور یہ عموماً بینا یا بینما کے بعد واقع ہوتا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے مغنی ابن ہشام کا مطالعہ فرمائیں۔ یہ تفصیل ہم نے صرف اس لیے پیش کی ہے کہ اس کا استعمال کثرت سے آتا ہے۔

۵۔ اِسْتَسْقٰی (پانی مانگا) دوسرے مقام پر آتا ہے کہ بنی اسرائیل (قوم موسیٰ) نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی مانگا تھا۔

اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗ (اعراف۔ ع) جب قوم موسیٰ نے ان سے (پینے کو) پانی مانگا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ہی حضرت موسیٰؑ نے اللہ سے پانی کے لیے درخواست کی تھی، اس لیے یہاں فرمایا۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ (بقرہ ع)

اس کی تصریح کی ضرورت اس لیے ہوئی کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سیرتِ طیبہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے اللہ سے اپنی ذات کے لیے مادی ضرورتوں (کام و دہن کی ترضیع) کی چیزوں کی کم ہی درخواستیں کی ہیں، الا یہ کہ ان کا تعلق دین کی اشاعت اور ترقی سے ہو یا امت کی جائز خواہش اور ضرورت کا تقاضا ہو۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ پیشکش کی کہ اگر آپ چاہیں تو وادیٔ بطحا کو آپ کے لیے سونا بنا دیا جائے تو آپ نے عرض کی، حضور! مجھے یہ نہیں چاہیے، بس کبھی سیر اور کبھی بھوکا۔ بس اتنا ہی دیجیے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:۔

عُرِضَ عَلَیَّ رَبِّیْ لِیَجْعَلَ لِیْ بَطْحَاءَ مَکَّةَ ذَهَبًا فَقُلْتُ یَا رَبِّ! وَلٰکِنْ اَشْبَعُ یَوْمًا وَ اَجُوْعُ یَوْمًا الحدیث (ترمذی)

الا یہ کہ جسم و جان کے رشتے کو باقی رکھنے کا کوئی شدید داعیہ پیدا ہو جائے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں آتا ہے کہ پیٹ بھوک سے لپشت سے جا لگا تھا پھر دعا کی۔

رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (پ۔ قصص ع)

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: سَارَ مُوْسٰی مِنْ مِصْرَ اِلٰی مَدْیَنَ لَیْسَ لَهٗ طَعَامٌ اِلَّا الْبَقْلُ وَ وَرَقُ الشَّجَرِ وَکَانَ مَا بَیْنَهُمَا فَمَا وَصَلَ اِلٰی مَدْیَنَ حَتّٰی سَقَطَتْ نَعْلُ قَدَمَیْهِ وَجَلَسَ

فِی الظِّلِّ وَھُوَ صَفْوَۃُ اللّٰہِ وَاَنَّ بَطْنَہٗ لَلَاحِقٌ بِظَھْرِہٖ مِنَ الْجُوْعِ ..... وانہ لیحتاج اِلٰی شِقِّ تَمْرَۃٍ (ابن کثیر)

اگر مادی ضرورتیں اور چیزیں یادِ خدا سے غافل ہونے کا سبب بن جاتیں تو ان کو ختم کیے بغیر دم نہ لیتے، دلکش گھوڑوں کے نظارہ میں کھو کر جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے یادِ خدا میں اضمحلال محسوس کیا تو اس "ذریعہ" کو اڑا ہی دیا۔

رُدُّوْھَا عَلَیَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ (پ۲۳- ص ع۳)

۳ اِضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ (اپنی لاٹھی کو پتھر پر مار) سرزمین مصر سے نکلنے کے بعد جب بنی اسرائیل کا قافلہ بیابانوں میں پہنچا تو وہاں کھانے کو کچھ تھا نہ پینے کو، سایہ تھا نہ کوئی آبادی، اس لیے روئے اور چلائے اور لگے فرمائشیں کرنے، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ہمیں پانی چاہیے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کے لیے رب سے درخواست کی کہ الٰہی مجھے اپنی قوم کے لیے پانی چاہیے! اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ان کو جواب دیا کہ اپنے عصا (لاٹھی) کو پتھر (چٹان) پر ماریے۔

وَاَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی اِذِ اسْتَسْقٰہُ قَوْمُہٗ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ (پ۹- اعراف ع۲۰)

بس پھر کیا تھا: عصا کا مارنا تھا کہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔

فَانْفَجَرَتْ مِنْہُ اثْنَتَا عَشْرَۃَ عَیْنًا ط

سورۂ اعراف میں "فَانْفَجَرَتْ" کے بجائے "فَانْبَجَسَتْ" آیا ہے۔ دونوں میں صرف کیفیت کا فرق ہے۔ "فَانْبَجَسَتْ" سے مراد وہ ابتدائی صورت ہے جب پانی رسنے لگتا ہے اور انفجرت سے مراد وہ پانی ہے جو نکل کر کشادہ ہو جاتا ہے۔

ضربِ کلیمی سے چٹان یا پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری ہو جانا پیغمبرانہ ایک معجزہ اور رب کی طرف سے ایک مافوق ذرہ نوازی ہے۔ کچھ حضرات کا خیال ہے کہ پتھر یا لاٹھی پر پتھر مارنے سے پانی کے چشمے نہیں نکلے تھے بلکہ وہاں پہاڑی کے کسی گوشے میں پانی پتھروں کی تہوں میں موجود تھا جسے لاٹھی سے کرید کر اور ٹٹول کر نکالا گیا ہے۔ اس کا بارہ چشموں کی صورت میں معجزانہ طور پر جاری ہو جانا کیوں مستبعد نہیں؟

دراصل انھوں نے "عصائے موسیٰ" کی ماہیت اور خصائص کا بغور مطالعہ نہیں کیا۔ اصل میں وہ لاٹھی بکریوں کے ایک چرواہے یا گدھے ہانکنے والے کسی کمہار کی لاٹھی نہیں تھی وہ "موسوی عصا"

تھا اور ہاتھ بھی "ید بیضا" تھا، اللہ تعالیٰ نے دونوں کو اپنے "برہان" کا نام دیا ہے۔

فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ (پ ۲۰ - قصص ع ۴)

برہان وہ سچائی اور حقیقت ہوتی ہے جو ہٹ دھرم کے سوا سب کے لیے وجہ اطمینان ہوتی ہے۔ یہ وہی عصائے موسیٰ ہے جس سے صرف پانی کے چشموں کا ظہور ہی نہیں ہوا۔ بلکہ دریا کو بھی چیر ڈالا تھا۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ (پ ۱۹ - الشعراء ع ۴)

(ترجمہ) پھر ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا پر دے مارو، چنانچہ دریا پھٹ (کر ٹکڑے ٹکڑے ہو) گیا اور ہر ایک ٹکڑا گویا کہ بڑا (اونچا) پہاڑ تھا۔

پتھر، اس سے پانی نکلنے اور اسی سلسلے کی بعض دوسری تفصیلات بھی مفسرین نے بیان کی ہیں، جن کو ہم صرف "بزرگانہ باتیں" کہہ سکتے ہیں۔ علم اور حقائق سے بہت کم تعلق ہے اس لیے وہ بیان نہیں کی گئیں۔

لہ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا (بارہ چشمے) یہ بارہ چشمے کیوں بنائے گئے؟ صرف اس لیے کہ بنی اسرائیل بارہ قبیلوں پر منقسم تھے یا بغیر کسی امتیاز کے عوام کی سہولت کے لیے؟ ہمارے نزدیک دونوں ممکن ہیں لیکن جمہور کے نزدیک پہلا احتمال قوی تر ہے۔

اُنَاسٍ سے مراد طائفہ اور قبیلہ ہے تو پہلا احتمال قوی ہے، اگر اس سے مراد صرف "لوگ" ہیں تو پھر ہمارے نزدیک دوسرا احتمال راجح ہے۔

قبائل کی صورت میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ خاندانی حیثیت کا لحاظ رکھنا مناسب ہوتا ہے۔ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

اَلنَّاسُ مَعَادِنُ كَمَعَادِنِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْاِسْلَامِ اِذَا فَقُهُوْا (رواہ مسلم)

(ترجمہ) سونے چاندی کی کانوں کی طرح لوگ بھی کانیں ہیں، زمانہ جاہلیت میں جو لوگ "بھلے" تھے، اسلام میں بھی وہ بھلے ہیں جب کہ وہ دینی سوجھ بوجھ پیدا کر لیں۔

اگر صرف لوگ مراد ہوں تو مساوات شرعی ثابت ہوتی ہے کہ بلا امتیاز رفاہی امور میں سب کے لیے یکساں دروازے کھلے ہونے چاہئیں۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ

(اور) سب لوگوں نے (اپنا) اپنا گھاٹ معلوم کر لیا (اور اذنِ عام ہو گیا کہ) اللہ کی (دی ہوئی)

اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝ وَإِذْ قُلْتُمْ

روزی کھاؤ اور پیو اور ملک میں فساد نہ پھیلاتے پھرو، اور (اس) وقت بھی یاد کرو) جب

يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ

تم نے (حضرت موسیٰ سے) کہا کہ اے موسیٰ! ہم سے تو ایک کھانے پر نہیں رہا جاتا تو آپ

يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا

ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ زمین سے جو چیزیں اگتی ہیں یعنی ترکاری اور ککڑی اور

وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي

گیہوں اور مسور اور پیاز (من و سلوٰی کی جگہ) ہمارے لیے پیدا کرے (حضرت موسیٰ نے) کہا کہ جو چیز

ٰه مُفْسِدِينَ (فساد کرنے والے) اس سے مراد تخریب اور فساد پھیلانا ہے۔ "عثی" بھی فساد ہے مگر شدید تر۔ غرض یہ ہے کہ خدا کا کھا کر نفس و طاغوت کا گانا سب سے بڑی تخریب ہے چنانچہ دوسرے مقام پر اس مضمون کو یوں دہرایا ہے۔

قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ط وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ط فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ط فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ (پ ۱۱ - یونس ع ۴)

"(ان سے) اتنا تو پوچھو کہ تم کو آسمان و زمین سے کون روزی دیتا ہے اور (تمھارے) کان اور آنکھیں کس کے قبضہ میں ہیں؟ اور وہ کون ہے جو زندے کو مردے سے نکالتا ہے اور مردے کو زندہ سے نکالتا ہے! اور کون (کارگاہ ہست و بود کا) انتظام چلا رہا ہے تو وہ بول اٹھیں گے کہ: اللہ! اب آپ ان سے فرمائیں کہ کیا تم اس پر بھی (اس سے) نہیں ڈرتے۔"

رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے یوں بیان فرمایا ہے۔

مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ بَرَكَةٍ إِلَّا أَصْبَحَ فَرِيقٌ مِنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِينَ، يُنْزِلُ اللّٰهُ الْغَيْثَ فَيَقُولُونَ بِكَوْكَبِ كَذَا وَكَذَا (مسلم)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ آسمان سے کوئی بھی برکت نازل کرتا ہے تو لوگوں کا ایک گروہ اس سے کفر کرنے لگ جاتا ہے، بارش اللہ نازل کرتا ہے اور کہنے لگ جاتے ہیں کہ فلاں فلاں ستارے کی تاثیر سے مینہ برسا۔

مَا أَحَدٌ أَصْبَرُ عَلَى أَذًى يَسْمَعُهُ مِنَ اللّٰهِ يَدْعُونَ لَهُ الْوَلَدَ ثُمَّ يُعَافِيهِمْ وَيَرْزُقُهُمْ (بخاری ومسلم)

(ترجمہ) اللہ سے زیادہ صابر کوئی نہیں کہ وہ سنتا ہے، اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں ثابت کرتے ہیں (اس کے باوجود) پھر وہ ان کو عافیت بھی دیتا ہے اور روزی بھی۔

لَنْ نَصْبِرَ (ہم بالکل نہیں رہ سکتے، مطلق صبر نہیں کر سکتے۔ قطعاً سکت نہیں رکھتے) من و سلویٰ کھا کھا کر اکتا ہی گئے اور بول اٹھے کہ ہم اس سے تنگ آگئے ہیں۔ ہمیں اب فلاں شئے ملنی چاہیے!

جہاں تک اکتا دینے والی بات ہے، بری نہیں ہے بلکہ یہ بالکل فطری بات ہے اور نہ قرآن نے اسی پر ان کو ٹوکا ہے۔ اصل بات یہ تھی کہ: ان ملنگوں کو عادت سی ہو گئی تھی کہ وہ جو چاہیں، ان کو ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر من و سلویٰ کی طرح ملے۔ اور ملتا رہے دوسرا یہ کہ: انہوں نے یہ بھی خواہش کی کہ من و سلویٰ کی نعمت واپس لے لی جائے، ان کی جگہ فلاں فلاں چیز ان کو دی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں ناقدری کی باتیں ہیں، اگر من و سلویٰ کے ساتھ دوسری چیزوں کے لیے خود بھی ہاتھ پاؤں ہلا کر کچھ مہیا کر کے اپنے کام و دہن کا مزہ بدلتے رہتے تو ان کو کوئی بھی نہ ٹوکتا (اهبطوا مصرا فان لكم ما سألتم) مگر ان کا اصرار یہ تھا کہ فوم وغیرہ بھی من و سلویٰ کی طرح بغیر محنت کے ملے۔ (فادع لنا ربك يخرج لنا مما تنبت الارض)

دوسری بات بھی بڑی نادانی کی بات تھی، چاہیے تو یہ تھا کہ ان کے ساتھ کچھ اور بھی مطالبہ کر دیتے۔ مگر جو ہوا ناقدر دانوں اور نادانوں کی طرح ہوا کہ اپنا یہ پاک دان اٹھا لو اور ہمیں فلاں فلاں چیز اس کے بدلے میں لا کر دے دو۔ (اتستبدلون الذي هو ادنى بالذي هو خير) ظاہر ہے ایسا رویہ کسی معقول اور انعام و اکرام کی مستحق جماعت کا نہیں

هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ۭ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ

بہتر ہے کیا تم اس کے بدلے میں ایسی چیز لینی چاہتے ہو جو گھٹیا ہے؟ (اچھا تو) کسی شہر

لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ۭ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ

میں اتر پڑو کہ جو مانگتے ہو (وہاں) تم کو ملے گا اور ان پر ذلت اور محتاجی لیس دی گئی اور

وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

وہ خدا کے غضب میں آ گئے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار اور پیغمبروں

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ

کو ناحق قتل کیا کرتے تھے (اور نیز) یہ اس لیے کہ انھوں نے نافرمانی

بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

کی اور حد سے بڑھ (بڑھ) جاتے تھے۔

ہو سکتا۔ اس لیے ایسا معاشرہ اور ایسی قوم جو محنت سے بھی جی چراتی ہو، اس قدر جذباتی بھی ہو جو تھوڑی سی نفسیاتی تحریک پر جذباتی ہو جاتی ہو، ساتھ ساتھ قدر ناشناس بھی ہو وہ کیسے فلاح پا سکتی ہے۔

ک اَتَسْتَبْدِلُوْنَ (کیا تم بدلتے ہو؟) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے خدا سے مزید کچھ نہیں مانگا تھا بلکہ انعامِ الٰہی کو ٹھکرا کر اس کے بدلے میں کچھ اور چاہا تھا۔ یہ بات جہاں ان کی کور ذوقی کی علامت ہے وہ وہاں مالک اور محسن کے سلسلے میں ان کے گستاخانہ رویہ کی غماز بھی ہے۔

ث لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ (تمہارے لیے وہ جو تم نے چاہا) فرمایا اگر مسور اور پیاز جیسی چیزیں چاہتے ہو تو جا کر خود کاشت کرو اور کھاؤ پیو۔ کیونکہ ایسی چیزوں کے لیے آسمانی خوانِ یغما کی تلاش جو وہ خود پیدا کر سکتے ہیں، "دوں ہمتی" قوم کی انتہائی "دوں ہمتی" کی بات ہے، ان کو مصر سے نکل کر ایک فاتح قوم کی حیثیت سے ابھرنا چاہیے تھا لیکن جو قوم مسور اور پیاز جیسی چیزیں نہیں پیدا کر سکتی ان سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ اقوامِ عالم پر فتحیاب

ہو کر اپنی ایک نئی دنیا تعمیر کر سکے گی۔ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا (مائدہ ع۴)

لہ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ (ان پر ذلت اور محتاجی لیس دی گئی) یعنی پھر تو تم ذلیل و خوار ہی ہو گئے۔ کیونکہ جو قوم دوں ہمت ہو گی اس کا ہمیشہ یہی حشر ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ غور فرمائیے کہ ایک ایسی قوم جو محنت سے جی چراتی ہو، اس قدر جذباتی بھی ہو کر تھوڑی سی نفسانی تحریک پر جذباتی ہو جاتی ہو، ساتھ ساتھ قدر ناشناس بھی ایسی کہ مالک اور محسن حقیقی کے سلسلہ میں امتنان و تشکر کی توفیق سے بھی تقریباً تقریباً محروم ہو جو خدا سے یہ بھی توقع رکھتی ہو کہ اسے ان کے پیچھے چلنا چاہیے، اپنے انبیاء کو اپنے گھر کی مچھلی سمجھتے ہوں، عظیم مشاہدات کے باوجود جن کی آنکھوں میں جلا نہ پیدا ہو سکے آیاتِ الٰہیہ کا انکار (يكفرون بآيٰت الله) قتلِ انبیاء اور سینہ زوری (يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ) جن کی زندگی کے جلی عنوان ہوں اور اپنی ان شرمناک دھاندلیوں کے باوجود اس خوش فہمی میں مبتلا بھی رہتی ہو کہ: وہ خدا کے چہیتے، لاڈلے اور شہزادے بھی ہیں (نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ) تو ایسی قوم اگر ذلت و نکبت اور ادبار کا گہوارہ بن کر رہ جائے تو کونسی اچنبھے کی بات ہے یہ محرومیاں تو ان پر مسلط نہیں کی گئیں بلکہ وہ خود ان کے خمیر کے اندر سے اٹھی ہیں بلکہ ان کے قومی مزاج اور سرشت کی زمین ہی ایسی تھی کہ اس سے گل و لالہ کے بجائے محرومیوں کے خار اور تھوہر ہی اُگ سکتے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ الآیۃ۔

لہ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (کفر کرتے تھے، انکار کرتے تھے، اپنی کرتے تھے) کفر کی متعدد شکلیں ہیں، انکارِ حق اصلی کفر ہے، کتمانِ حق یعنی حق کو حق جانتے ہوئے چھپانا یا مرضی اور ذاتی خواہش اور مفاد کے مطابق ہو تو ماننا ورنہ نہیں۔ آیاتِ الٰہی کا کاروبار، حق اور باطل میں باہم آمیزش، کتمانِ حق، غیر اللہ کی پوجا، استحقاق سے زیادہ مدارج کے مطالبے پر اڑ جانا، تحریف، خدا پر افتراء، دین کو خاندانی جائیداد بنا لینا، اگر حق کہیں اور ثابت ہو جائے تو نہ ماننا، اور مجموعی لحاظ سے پوری قوم میں ایک طبقہ ایسا موجود رہنا جو عہد کے باوجود، عہد شکنی پر کمربستہ رہے تو وہ طبقہ بھی منکرِ حق شمار ہو گا: انکار کے بجائے طاغوت کی طرف رجوع کرنا اور ان کے فیصلوں پر قناعت کرنا، یہ سب کفر کی شکلیں ہیں، اس سلسلے کی قرآنی تصریحات پہلے گزر چکی ہیں۔

۱۱ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ (اور نبیوں کو قتل کیا کرتے تھے)

قتل کے حقیقی معنی "جان سے مارنے" کے ہیں یا مجازی معنی انبیاء کی دعوت کو بے اثر کرنے کے لیے جد و جہد کرنے کے ہیں؟ ہمارے نزدیک یہاں اس کے حقیقی معنی مراد ہیں، کیونکہ یہاں حقیقی معنی متعذر نہیں ہیں، قرآن و حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

قرآن حکیم

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ (پ۱۔ بقرہ ع۱۱)

"پھر بعض کو تم نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو تم قتل کرتے تھے"

تکذیب انہی مساعی سیئہ کا نام ہے جو دعوتِ انبیاء کو بے اثر اور ناکام کرنے کے لیے انجام دی جاتی ہیں، اس کے بعد کہا کہ ایک گروہ کو تم قتل کرتے رہے ہے۔ ظاہر ہے کہ دونوں کا مفہوم ایک نہیں ہو سکتا، پہلے کا جو ہے وہ دوسرے کا نہیں ہے، جو دوسرے کا ہے وہ پہلے کا نہیں ہے۔ لازماً یہی تصور کیا جائے گا کہ تکذیب کے بعد قتل کا ذکر حقیقی معنوں میں آیا ہے۔

روایات

حضرت ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں سب لوگوں سے زیادہ سخت عذاب اس شخص کو ہوگا جس کو نبی نے قتل کیا ہوگا یا جس نے نبی کو قتل کیا ہوگا۔

حدثنا عبد الصمد حدثنا ابان حدثنا عاصم عن ابی وائل عن عبد اللہ یعنی ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَجُلٌ قَتَلَهُ نَبِيٌّ اَوْقَتَلَ نَبِيًّا وامام ضلالۃ وممثل من الممثلین (ابن کثیر ص۱۰۳ بحوالہ احمد)

اس روایت نے قتل انبیاء کے امکان کو ثابت کر دیا ہے جو لوگ اس کے قائل نہیں ہیں۔ وہ اس کو شرعاً ناممکن تصور کرتے ہیں۔ بہر حال قتل انبیاء شرعاً ناممکن نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے بھی اس امکان کو تسلیم کیا ہے وہ فرماتے ہیں واللہ لئن مات او قتل لا قاتلن علی ما قتل علیہ (رواہ الطبرانی والحاکم) خود قرآن نے اس امکان کی طرف اشارہ کیا ہے: اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران) اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان کا قتل بھی ہوا یا نہیں؟ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ہوا! ذیل کی روایات ملاحظہ فرمائیں۔

ابن مسعودؓ سے مرفوعاً روایت آئی ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک ہی دن میں تین سو نبی قتل کیے۔

قال ابو داؤد الطیالسی حدثنا شعبۃ عن الاعمش عن ابراھیم عن ابی معمر عن عبد اللہ بن مسعود قال کانت بنو اسرائیل فی الیوم تقتل ثلثمائۃ نبی (ابن کثیر ص) وفی روایۃ ابن جریر: قتلت بنو اسرائیل ثلثمائۃ نبی من اول النھار (ابن کثیر ص ۳۵۵)

حضرت ابو عبیدۃ رضی اللہ عنہ بن الجراح سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

بنی اسرائیل نے دن چڑھے ایک ہی تھام میں (۴۳) نبی اور پچھلے پہر اُن (۱۷۰) صلحاء کو قتل کر ڈالا تھا، جنھوں نے ان کو تبلیغ کی تھی:

یا ابا عبیدۃ قتلت بنو اسرائیل ثلثۃ واربعین نبیا من اول النھار فی ساعۃ واحدۃ فقام مائۃ وسبعون رجلا من بنی اسرائیل فامروا من قتلھم بالمعروف ونھوھم عن المنکر فقتلوھم جمیعا من اٰخر النھار من ذلک الیوم (ابن کثیر ص ۳۵۵ بحوالہ ابن ابی حاتم)

اکثر مفسرین اور مؤرخین نے بھی بنی اسرائیل کے قتل انبیاء کو تسلیم کیا ہے۔ بعض مفسرین نے ان کا نام بھی لیا ہے مثلاً شعیا، زکریا، یحییٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

صحفِ آسمانی میں بھی اس کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً:

"تمھاری ہی تلوار پھاڑنے والے شیر ببر کی مانند، تمھارے نبیوں کو کھا گئی (تواریخ ۲۰) نحمیاہ میں تصریحاً آیا ہے کہ: اور تیرے نبیوں کو، جو نصیحت دیتے تھے کہ انھیں تیری طرف پھر لائیں، قتل کیا (نحمیاہ)

دورِ حاضر میں "قتل انبیا" کے منکروں میں مرزائی لوگ سب سے زیادہ پیش پیش ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں سے بھی کچھ حضرات نادانستہ طور پر ان کے کھیرے میں آگئے ہیں جو سرتا پا غلط ہے۔

ﻟﻪ وَکَانُوا یَعْتَدُوْنَ (اور وہ حد سے بڑھ بڑھ جاتے تھے) جو لوگ حدود کو پھاند جانے میں بیباک ہوتے ہیں، وہی لوگ بدی کی انتہا تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔ گو شروع میں حدود شکنی ابتدائی قسم کی محسوس ہوتی ہے لیکن بالآخر بتدریج وہ چھا جاتی ہے، حدیث میں اس تدریج کا ذکر یوں آیا ہے کہ ابتداء میں دل پر ایک سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے اگر توبہ کر لیتا ہے تو وہ صاف ہو جاتا ہے ورنہ سارے دل پر چھا جاتا ہے۔

إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَذْنَبَ كَانَتْ نُقْطَةٌ سَوْدَاءُ فِي قَلْبِهِ فَإِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهُ وَإِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهُ (ترمذی)

ایک اور موقع پر فرمایا کہ:

گناہ کے صدور پر مومن تو یوں محسوس کرتا ہے جیسے پہاڑ اس کے سر پر آ گرے گا، مگر گنہگار انسان یوں محسوس کرتا ہے جیسے ناک پر مکھی آ بیٹھی اور اسے ہاتھ سے اڑا دیا۔

ان المومن یری ذنوبه کانه قاعد تحت جبل یخاف ان یقع علیه وان الفاجر یری ذنوبه کذباب مر علی انفه فقال به هکذا ای بیده فذبه عنه (مسلم)

یہ فاجر وہی شخص ہوتا ہے جو گناہوں کی حد تک ان جھک ہو جاتا ہے اور یہ بات دفعتہً پیدا نہیں ہوا کرتی بلکہ بتدریج یہ ملکہ راسخ ہوتا ہے۔ جب اس میں کوئی راسخ ہو جاتا ہے تو پھر بڑے سے بڑا گناہ بھی اس کی زد میں رہتا ہے۔

والآخر اسود مربادًا کالکوز مجخیا لا یعرف معروفا ولا ینکر منکرا الا ما اشرب من هواه (مسلم)

یعنی دوسرا دل، راکھ سا سیاہ جیسے الٹا کوزہ جو نیکی اور بدی کے احساس سے بالکل خالی، وہ صرف اس چیز کا احساس کرتا ہے جو اس کے نفس میں رچ بس گئی ہے۔

اس لیے حضورؐ نے بالخصوص چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بھی بچتے رہنے کی سفارش کی ہے:

إِيَّاكُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوبِ (ابن ماجه)

کیونکہ چنگاری سے آتشکدے بنتے ہیں بہر حال حدود اللہ کی پامالی کا اگر شروع میں احساس نہ کیا جائے تو انسان کفر و طغیان کی انتہاؤں تک پہنچ کر دم لیتا ہے۔

فقہ القرآن

۱۔ صلحاء سے درخواست دعا مناسب ہوتی ہے، خواہ روحانی مقاصد کے لیے ہو یا جائز دنیوی مصالح کے لیے فَإِذِ اسْتَسْقٰى مُوسٰى لِقَوْمِهِ (بقرہ ع) إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ (اعراف ع)

۲۔ معجزات اور کرامات برحق ہیں۔ فانفجرت منه اثنتا عشرة عینا۔

۳۔ خدا کا عطا کردہ رزق بافراغت کھانا، روحانیت کے منافی نہیں ہے الا یہ کہ کوئی جانوروں کی طرح جنے تا کر کھائے۔ کلوا واشربوا من رزق الله۔

۴۔ ایسا رزق جس سے تعمیر کے بجائے تخریب کے سوتیں پھوٹ پڑیں پسند نہیں ہے۔ ولا تعثوا فی الارض۔

۵۔ خدا کی عنایات سے اعراض مضر ہے الایہ کہ ان کے ساتھ مزید کے لیے سعی و کوشش کرے۔ قال اتستبدلون۔

۶۔ مفت کے من وسلویٰ کے انتظار میں نہ رہے بلکہ خود بھی ہاتھ پاؤں ہلائے۔ اھبطوا مصرا فان لکم ما سالتم۔

۷۔ عملاً یا اعتقاداً آیاتِ الٰہی سے گریز اور داعیانِ دینِ برحق کے خلاف سازشوں کے جال بچھانا خطرناک ہے، وہ انفراداً ہو یا اجتماعاً۔ ذلک بانھم کانوا یکفرون بایٰت اللہ و یقتلون النبیین بغیر الحق۔

۸۔ صغائر پر اصرار کے نتائج سخت سنگین اور خطرناک برآمد ہوتے ہیں، کیونکہ اس سے کبائر اور طغیان کے دروازے کھل جاتے ہیں جو بالآخر لے ڈوبتے ہیں، دنیا یا آخرت یا دونوں، ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون۔

عشق کی سربلندی

اسرار احمد سہاوری

مُدّعی آج چشم پُرنم ہے: التفات اس کا باعثِ غم ہے
عشق کی سربلندیاں ہر سو! ہوں مبارک، ہوس کا سر خم ہے
اہلِ دل کو خوشی مبارک ہو بوالہوس آج محوِ ماتم ہے
ہو گیا گم خلاؤں میں جا کر کیسی تقدیر ابنِ آدم ہے
رشتۂ غم بہ فیضِ لطفِ خدا ان دنوں دل سے خوب محکم ہے
یاد سے اس کی دل نہیں خالی ذکر اس کا لبوں پہ ہر دم ہے
راہ سیدھی نہیں ہے منزل کی ہر جگہ اس میں پیچ اور خم ہے
ہو ہی جائے گا فاصلہ بھی طے!
یاد اس کی ہماری ہمدم ہے

دارالافتاء

استفتاء

شریعت میں تارک نماز کا حکم

کیا حکم ہے شریعت محمدیہ کا دریں مسئلہ کہ اس عہد ضلالت میں بے نمازوں کی نہایت کثرت ہے۔ بعض لوگ تو بالکل ہی نماز نہیں پڑھتے۔ پانچوں نمازوں کے بالکلیہ تارک ہیں اور بعض دس بیس دن پڑھ لیتے ہیں۔ پھر دس بیس دن چھوڑ دیتے ہیں۔ بعض صرف عید، جنازہ کی نماز پڑھ لیتے ہیں اور باقی صلوات خمسہ نہیں پڑھتے۔ بعض یہ اقرار کرتے ہیں کہ واقعی نماز فرض ہے اور نہ پڑھنا گناہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نمازوں میں کیا دھرا ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے اور وہ اپنی رحمت سے بخش دے گا۔ بعض کہتے ہیں نماز تو ظاہری لوگوں کے لیے ہے۔ ہم اہل باطن ہیں دل میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ یہ نمازی لوگ مسجد کے فرش پر ہوتے ہیں اور ہم تصور شیخ سے عرش پر پہنچتے ہیں۔ کئی پیر لوگ نمازیں نہیں پڑھتے وہ کہتے ہیں کہ نماز معرفت و یقین حاصل ہونے تک ہے جب کامل یقین اور معرفت حاصل ہوگئی تو نماز ساقط ہوگئی۔ قرآن کریم میں ہے۔ "واعبد ربك حتى يأتيك اليقين" کہ یقین حاصل ہونے تک اللہ کی عبادت کر۔ جب یقین حاصل ہو جائے تو پھر خدا کا تصور کافی ہے۔ نمازوں کا محض رواج ہے۔

بعض بھنگ نوش کہتے ہیں کہ ؎

نہ مربھو کا نہ جا مسجد نہ دے سجدہ
وضو کا توڑ دے کوزہ شراب شوق پیتا جا

اب استفتاء یہ ہے کہ بے نمازوں کی بابت شرعی حکم کیا ہے۔ کیا وہ کافر خارج از اسلام ہیں یا کلمہ گو مسلمان ہیں؟ ان کا جنازہ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ اور بے نماز کا نمازی عورت سے نکاح ہو جاتا ہے یا نہیں، آج کل خاوند نمازی ہے تو عورت بے نماز ہے اور عورت نمازن ہے تو خاوند بے نماز ہے۔ بعض گھروں میں دونوں بے نماز ہیں۔ اکثر علماء بے نماز کو مسلمان گنہگار قرار دیتے ہیں اور جنازہ ان کا پڑھ دیتے ہیں اور بعض بے نماز کو کافر، خارج از اسلام قرار دیتے ہیں نہ ان کا جنازہ کرتے ہیں اور نہ کسی نیک نمازن عورت سے اس کا نکاح پڑھتے ہیں اور نہ نمازی

کو بے نماز کا وارث قرار دیتے ہیں اور نہ بے نمازوں کی اولاد صغیر کا جنازہ پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کافروں کی اولاد ہے۔ کافروں کی اولاد کا جنازہ جائز نہیں ہے کہ وہ کفار کے تابع ہیں اور مسئلہ کا پورا فیصلہ بروئے قرآن وحدیث بیان کیا جائے اور یہ بھی بتایا جائے کہ بے نماز پر حد شرعی ہے یا نہیں؟ بینوا بالدلیل تو جروا عند اللہ الجلیل۔

(السائل محمد سلیم سکنہ چک ۲۸۱ ای۔بی ضلع وہاڑی)

الجواب بعون الوهاب وهو الموفق للصواب۔

الحمد للہ رب العالمین اما بعد فاقول وباللہ التوفیق۔ واضح ہو کہ اگرچہ تارک صلوٰۃ کے بارہ میں علمائے متقدمین اور متاخرین کا سخت اختلاف ہے۔ لیکن اختلاف سے کوئی مسئلہ بھی خالی نہیں ہے حتیٰ کہ ذاتِ الٰہی اور ذاتِ نبوی کے بارہ میں بھی اختلاف پیدا ہو چکا ہے اس لیے ہر اختلافی مسئلہ میں حکم حق اور صواب معلوم کرنا ضروری ہے۔ پس میری تحقیق میں حق اور صواب یہ ہے کہ بے نماز کافر و مشرک خارج از اسلام ہے اور دائمی جہنمی ہے نہ اس کا نکاح کسی موحد مسلمان سے جائز ہے اور نہ اس کا جنازہ پڑھنا جائز ہے اور نہ اسلامی برتاؤ سلام وغیرہ جائز ہے اور نہ بے نماز، نمازی اور نہ نمازی، بے نماز کا وارث ہے۔ اور نہ بے نماز کافر کی اولاد نابالغ کا جنازہ کرنا جائز ہے اور اس پر وہی تمام احکام نافذ ہیں جو کفار کے بارہ میں کتاب وسنت میں وارد ہیں۔

اب ہر ایک حکم کی دلیل کتاب وسنت سے ملاحظہ فرمائیں اور علماء اور ملّا، مولویوں کے اختلاف اور مذہب کو بالکل نظر انداز کر دیں کہ وہ کتاب وسنت کے دلائل کے مقابلہ میں بالکل لاشئی ہیں۔

اول یہ حکم کہ بے نماز کافر ہے اس کے دلائل یہ ہیں۔ حضرت بریدہ صحابیؓ یہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی کہ آنجناب نے فرمایا۔

العهد الذی بیننا وبینهم الصلوٰۃ فمن ترکها فقد کفر (رواہ احمد وابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجه وابن حبان والحاکم باسانید صحیحة۔ یعنی اسلام کا وہ عہد جو ہمارے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان طے ہوا ہے وہ یہ ہے کہ جس نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوا جو کافروں میں شمار ہے۔ علامہ نواب صدیق حسن رحمہ اللہ نے ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل کے ص ۲۹ میں یہ لکھا ہے۔

ایں حدیث دلیل است بر کافر شدن تارک نماز الخ کہ "یہ حدیث بے نماز کے کافر ہونے پر دلیل ہے کہ وہ کافر ہے۔"

دوسری حدیث حضرت بریدہؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بکروا بالصلوٰۃ فی یوم الغیم فانہ من ترک الصلوٰۃ فقد کفر (رواہ ابن حبان فی صحیحہ) کہ "ابر والے دن نماز سویرے اول وقت پڑھو کیونکہ جس نے نماز ترک کر دی وہ کافر ہوا" یعنی ابر والے دن نماز میں سستی ہو جاتی ہے اس کا خیال رکھو کیونکہ جس نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوا۔

تیسری حدیث عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے متعلق احکام بیان کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا: من حافظ علیھا کانت لہ نورا وبرھانا ونجاۃ یوم القیامۃ "کہ جس شخص نے ہمیشہ نماز پڑھی اور اس کی حفاظت کی اس کے لیے قیامت کے دن یہ نماز روشنی اور اس کے ایمان کی دلیل اور دوزخ سے نجات کا ذریعہ بن جائے گی۔ اور جس نے محافظت نہ کی اور نہ ہمیشہ پڑھی کبھی چھوڑ دی اور کبھی پڑھی تو اس کے لیے نہ روشنی ہوگی نہ دلیل ایمان کی اور نہ نجات کا ذریعہ اور معذب ہوگا قیامت کے دن ساتھ قارون اور فرعون اور ہامان اور ابی بن خلف کے۔ رواہ احمد فی مسندہ والزواجر بسندہ جید والدارمی والبیہقی فی الشعب والطبرانی فی الکبیر والاوسط وابن حبان فی صحیحہ وقال فی مجمع الزوائد رجال احمد ثقات

اس حدیث سے ان لوگوں کا "رد" ہو گیا جو بے نماز کے کفر کو معمولی کفر اور بے نماز کو عملی کافر کہتے ہیں اس حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ بے نماز کا کفر اعلیٰ درجہ کا کفر ہے جو منقضا و ایمان اور مخرج عن الملۃ اور بے نماز فرعون اور ہامان وغیرہ کی طرح دائمی جہنمی ہے اگر دائمی جہنمی نہ ہوتا تو ان اکابر کافروں کے ساتھ معذب نہ ہوتا۔

ایک حدیث میں یہ آیا ہے جو ترغیب میں ہے کہ ایک شخص قبیلہ قضاعہ کا آیا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اگر میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دوں اور پانچوں نمازیں ہمیشہ پڑھوں اور رمضان کے روزے بھی رکھوں اور زکوٰۃ بھی ادا کروں تو میں کن لوگوں میں شمار ہوں گا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من مات علی ھذا کان مع الصدیقین والشھداء "کہ جو شخص ہمیشہ ان عملوں پر قائم رہا حتیٰ کہ موت آگئی تو وہ صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ شامل ہوگا۔"

پس ان دو حدیثوں سے صاف ظاہر ہے کہ نمازی صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ جنت میں جائے گا اور بے نماز قارون اور فرعون اور ہامان وغیرہ اکابر کافروں کے ہمراہ دوزخ میں ہوگا۔

بے نماز مشرک ہے اس کی دلیل قرآن حکیم سے یہ ہے۔ پارہ ۲۱ سورہ روم میں ہے "وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ"۔ یعنی نماز کی پابندی کرو اور تم مشرک نہ ہو۔ تفسیر حسینی میں ہے کہ نماز پڑھو اور نماز ترک کر کے مشرک نہ ہو۔ تفسیر حسینی میں تیسیر سے منقول ہے کہ شیخ محمد بن اسلم طوسی نے کہا کہ میں نے چاہا کہ حدیث "من ترک الصلوٰۃ متعمدا فقد کفر" کی موافقت قرآن کی کسی آیت سے ثابت کروں پس میں نے کئی سال غور کیا تو یہ آیت اس حدیث کے مطابق پائی کہ اس آیت اور حدیث کا مفہوم ایک ہے یعنی نماز قائم نہ کی تو کافر و مشرک ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ آیت کی تفسیر اس حدیث سے خوب ہوتی ہے جو ابن ماجہ میں وارد ہے "عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس بین العبد والشرک الا ترک الصلوٰۃ فاذا ترکھا فقد اشرک" (رواہ ابن ماجہ باسناد صحیح) یعنی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے ملاپ درمیان بندہ اور شرک کے مگر ترک کرنے نماز سے جب نماز ترک کر دی تو وہ مشرک ہوا۔

یہ حدیث آیت مذکورہ کی صریح تفسیر ہے۔ چنانچہ دوسری روایت میں اس سے بھی زیادہ وضاحت ہے جو کہ حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا کہ آپ فرماتے تھے: "بین العبد وبین الکفر والایمان الصلوٰۃ فاذا ترکھا فقد اشرک۔ رواہ ھبۃ اللہ الطبری باسناد صحیح وقال اسنادہ علی شرط مسلم" یعنی بندہ اور کفر و ایمان کے درمیان حد فاصل نماز ہے جب بندہ نے نماز ترک کر دی تو وہ مشرک ہو گیا۔

علماء میں نواب حضرت العلامہ صدیق حسن خان مرحوم بھوپالی ہیں وہ اپنی کتاب الدین الخالص جلد ا صـ ۱۱۹ میں فرماتے ہیں "ان عاقبۃ الشرک الخلود فی النار" یعنی مشرک کا انجام جہنم میں ہمیشہ رہنا ہے"۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ بے نماز مشرک ہے۔ اس حدیث سے متاخرین کی یہ تاویل بھی باطل ہوئی کہ شرک دون شرک مراد ہے کیونکہ حدیث مذکورہ میں ایمان اور کفر کا ذکر مقابلہ کے طور پر ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ بے نماز کے بارہ میں کفر و شرک کا اطلاق

متضاد ایمان ہے کیونکہ قرآن میں اطلاق ایمان کا نماز پر وارد ہوا ہے۔ امام الدنیا فی الحدیث[۳۴] نے اپنی جامع صحیح بخاری میں یوں باب منعقد کیا ہے۔ باب الصلوٰۃ من الایمان وقول اللہ تعالیٰ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم یعنی صلوٰتکم عند البیت یعنی نماز ایمان میں داخل ہے۔ قرآن مجید کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نماز کو ایمان فرمایا ہے پس جس نے نماز چھوڑ دی اس نے ایمان کو چھوڑ دیا تو وہ حقیقی معنوں میں کافر اور مشرک ہوا۔ امام نووی نے شرح مسلم[۳۶] میں یہ لکھا ہے قال اللہ تعالیٰ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم اجمعوا علیٰ ان المراد صلاتکم یعنی علمائے سلف وخلف کا اجماع ہے اس بات پر کہ آیت میں ایمان سے مراد صلوٰۃ ہے پس بغیر نماز کے ایمان باطل ہے جیسے مسلم کی حدیث قدسی میں فاتحہ پر صلوٰۃ کا اطلاق آیا ہے کیونکہ فاتحہ نماز کا رکن اعظم ہے۔ اگر فاتحہ عمداً ترک کر دی تو نماز باطل ہے پس اسی طرح جس نے عمداً نماز ترک کر دی اس کا ایمان باطل ہوا اور وہ مشرک وکافر ہوا۔

قرآن کریم سورۂ مریم میں ہے۔ فخلف من بعدھم خلف اضاعوا الصلوٰۃ واتبعوا الشھوٰت فسوف یلقون غیا۔ یعنی انبیاء کے بعد ایسے نالائق پیدا ہوئے کہ انھوں نے نماز کو ضائع کر دیا اور پیروی کی انھوں نے اپنی خواہشوں کی پس داخل ہوں گے وہ جہنم میں۔ اس آیت سے بھی بے نمازوں کا مشرک ہونا اور دوزخی ہونا ظاہر ہوا کہ دنیادار لوگ اپنی نفسانی خواہشوں کے تابعدار ہو کر نمازوں کے تارک ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے احکام متعلقہ نماز کو ترک کر دینا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنا یہ شرک ہے۔ قرآن مجید میں ایک مقام پر یہ ارشاد ہے۔ "ارایت من اتخذ الٰھہ ھواہ" یعنی اے ہمارے نبی! کیا دیکھا آپ نے اس شخص کو جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے"۔ اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو اپنی نفسانی خواہش کے مقابلہ میں ٹھکرا دینا شرک ہے کیونکہ پانچ نمازیں قائم کرنا اور ان کو ہمیشہ پڑھنا رکن اسلام ہے۔ تارکِ نماز نے اس رکنِ اسلام کی پروا نہ سمجھی اور اپنے نفس کے تابع ہوا یہ شرک ہے۔ حدیث میں آیا ہے "لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ" یعنی کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے نفس کی خواہش کو اس شریعت کے تابع نہ کر دے جو میں خدا تعالیٰ کی طرف سے لے کر آیا ہوں۔ اس آیت مذکورہ سے آگے یہ آیت ہے الا من تاب وامن وعمل صالحا فاولٰئک یدخلون الجنۃ۔ مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور

ایمان لائے اور نیک عمل کیے (نمازیں پڑھیں) پس یہ لوگ جنت میں جائیں گے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ نفسانی خواہشوں کے تابع ہو کر جنھوں نے نمازیں ضائع کیں وہ اسلام اور ایمان سے خارج ہوئے مگر جب توبہ کر کے از سر نو ایمان لائے اور نماز و غیرہ اعمال صالح کے پابند ہو گئے تو وہ بہشت میں جائیں گے۔ اگر نمازوں کو ضائع کرنے والے مسلمان اور مومن ہوتے تو ان کو از سر نو ایمان لانے کی حاجت نہ ہوتی صرف گناہوں سے توبہ کافی ہوتی۔ چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے مرض موت کے آخری وقت صحابہ کرام کے مجمع میں یہ ارشاد فرمایا لا اسلام لمن ترك الصلوٰة "کہ جس شخص نے نماز ترک کر دی وہ مسلمان نہیں ہے" (کافر ہے) امام ابن القیم نے اپنی کتاب الصلوٰۃ میں امام ابن حزم سے یہ نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام عمرؓ، عبدالرحمان بن عوف، معاذ بن جبل۔ ابو ہریرہؓ وغیرہم نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ "من ترك الصلوٰة فرضا واحدا متعمدا حتى يخرج وقتها فهو كافر مرتد" یعنی

جو شخص ایک نماز فرض عمداً چھوڑ دے کہ اس کا وقت چلا جائے وہ کافر مرتد ہے۔ اس روایت سے یہی ظاہر ہوا کہ بے نماز کافر و مشرک اور اسلام سے خارج ہے۔ چنانچہ امام ابن القیمؒ نے کتاب الصلوٰۃ ص۲۳ میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے فرمایا کہ اوصانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لا تشركوا بالله شيئا ولا تتركوا الصلوٰة عمدا فمن تركها عمدا متعمدا فقد خرج من الملة (رواه ابن ابی حاتم فی سننه) یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ وصیت کی کہ تم شرک نہ کرنا اور جان بوجھ کر نماز کو ترک نہ کرنا کیونکہ جس نے نماز کو جان بوجھ کر قصداً ترک کیا وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہوا۔ پس اس حدیث سے ان لوگوں کی تاویل باطل ہوئی جو یہ کہتے ہیں کہ کفر سے دون کفر مراد ہے۔ یا کفران نعمت مراد ہے یا کفر عملی مراد ہے۔

اس حدیث کے صاف صریح الفاظ سے یہ ثابت ہوا کہ بے نماز کے بارہ میں جو احادیث وارد ہیں جن سے کافر ہونا ثابت ہے اس سے وہ کفر مراد ہے جو اسلام سے خارج کرتا ہے اسی وجہ سے بے نماز اکابر کفار فرعون وغیرہ کے ساتھ شامل ہو گا جو اسلام سے خارج تھے۔ اسی وجہ سے بے نمازوں کے تمام اعمالِ صالح برباد ہیں کہ یہ شرک و کفر حقیقی ہے مجازی نہیں ورنہ تمام اعمالِ صالحہ برباد نہ ہوتے۔

قرآن ناطق ہے۔ "ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ" یعنی "جس شخص نے ایمان کے ساتھ کفر کیا اس کے تمام اعمال صالحہ برباد ہیں"۔ ترغیب ص۲۱ میں نماز کے بارہ میں یہ حدیث وارد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من ترک صلوٰۃ متعمدا احبط اللہ عملہ" یعنی "جس شخص نے جان بوجھ کر نماز ترک کر دی اس کے عمل کو اللہ تعالیٰ نے برباد کر دیا۔" اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو صحاح ستہ بخاری، نسائی کتابوں میں موجود ہے کہ "فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "من ترک صلوٰۃ العصر فقد حبط عملہ" کہ جس شخص نے عصر کی نماز ترک کر دی اس کے عمل باطل ہو گئے"۔

طبرانی و بیہقی میں یہ حدیث ہے۔ "من ترک الصلوٰۃ فکانما وتر اھلہ ومالہ" یعنی "جس شخص نے نماز چھوڑ دی گویا اس کا اہل وعیال مال دولت سب لٹ گیا"۔

پس ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ بے نماز کافر ولیا ہے جیسا کہ آیت میں کفر وارد جو موجب حبطِ اعمال ہے کہ یہ کفر ارتداد ہے اس لیے اس کی سزا یہی دی ہے جو مرتد کی ہے۔

مرقاۃ میں ملا علی قاری نے لکھا ہے "قال حماد بن زید ومکحول والشافعی تارک الصلوٰۃ یقتل کالمرتد" یعنی "حماد، مکحول اور امام شافعی نے فرمایا کہ بے نماز کو مرتد کی طرح قتل کیا جائے"۔

غنیہ میں تاج الاولیاء نے فرمایا۔ "قتل بالسیف بکفرہ" کہ "بے نماز کو تلوار سے قتل کیا جائے کیونکہ وہ کافر ہے" اور یہ لکھا ہے کہ اس کا مال لوٹ کر بیت المال میں رکھا جائے اور اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ اور صحابہ کا بے نماز کے کفر پر اجماع ہے۔

امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور امام حاکم نے مستدرک میں نقل کیا ہے "کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرون شیئاً من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ" کہ "تمام صحابہ کرام بے نماز کے کفر پر متفق تھے"۔

ترغیب ص۲۱ میں ہے کہ ایوب تابعی نے کہا کہ "بے نماز کے کفر میں کسی کو اختلاف نہیں ہے یعنی صحابہ کرام میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے"۔

امام ابن القیم نے کتاب الصلوٰۃ کے ص۱۲ میں لکھا ہے۔ "وقد دل علی کفر تارک الصلوٰۃ الکتاب والسنۃ واجماع الصحابۃ" یعنی بے نماز کے کافر ہونے پر قرآن اور حدیث اور اجماع صحابہ دلالت کرتے ہیں"۔ پھر امام ابن القیم نے قرآن سے آیات اور احادیث نبویہ اور

اقوالِ صحابہ نقل کر کے اپنے دعویٰ کو ثابت کیا ہے کہ بے نماز کافر ہے۔

دیگر یہ کہ بے نماز کے بے دین اور کافر ہونے پر حدیث دلالت کرتی ہے کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لا دین لمن لا صلوٰۃ لہ انما موضع الصلوٰۃ من الدین کوضع الراس من الجسد" (رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر) یعنی بے نماز کا کوئی دین اسلام نہیں ہے اور نماز کا تعلق دین سے بمنزلہ سر کے ہے جسم سے۔ یعنی جس طرح کسی شخص کا سر اتار دیا جائے تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا ایسے ہی نماز ترک کرنے سے اس شخص بے نماز کا دینِ اسلام ختم ہو جاتا ہے۔

اسی حدیث کی بنا پر حضرت عمر فاروقؓ نے مرض الموت میں آخری وقت یہ ارشاد فرمایا "لاحظ فی الاسلام لمن ترک الصلوٰۃ" کہ بے نماز کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ہے" اور دوسری روایت حضرت عمرؓ سے یوں آئی ہے "الصلوٰۃ عماد الدین فمن ترکھا فقد ھدم الدین" (رواہ البیہقی) یعنی نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز ترک کر دی اس نے اپنے دین کو ہدم کر دیا۔

انہی روایات کی رو سے حضرت فاروقؓ کا یہ مذہب تھا کہ بے نماز کافر مرتد ہے۔ جو اسلام سے خارج ہے کما تقدم۔

حضرت علی اور جابر رضی اللہ عنہما نے صاف لفظوں میں یہ فرمایا ہے "من لم یصل فھو کافر" کہ بے نماز کافر ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے بھی یہ فرمایا "من ترک الصلوٰۃ فقد کفر" یعنی جس شخص نے نماز چھوڑ دی بے شک وہ کافر ہے۔ یہی مسلک ابن مسعودؓ کا ہے وہ فرماتے ہیں "من ترک الصلوٰۃ فلا دین لہ" کہ جس نے نماز ترک کر دی اس کا دین اسلام نہیں ہے۔"

اور حضرت ابوالدرداء صحابیؓ نے فرمایا "لا ایمان لمن لا صلوٰۃ لہ ولا صلوٰۃ لمن لا وضوء لہ" یعنی بے نماز مومن نہیں ہے اور وضو کے بغیر نماز صحیح نہیں ہے۔"

امام ابن القیمؒ نے اپنی کتاب الصلوٰۃ کے صد ۲۵ میں یہ لکھا ہے "فلا یسمی تارک الصلوٰۃ مسلما ولا مؤمنا" یعنی بے نماز کو مومن اور مسلمان نہیں کہا جائے گا" اور ص ۱۰ میں یہ نقل کیا ہے کہ امام یحییٰ ابن معین نے حضرت عبداللہ بن مبارک رئیس التابعین سے پوچھا کہ لوگ (اہل الرائے) یہ کہتے ہیں کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اور روزہ نہ رکھے اور ویسے ان حکموں کے صحیح ہونے کا اقرار کرتا ہے وہ مومن کامل ایمان والا ہے تو حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے

فرمایا کہ ہمارا یہ مذہب نہیں ہے۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ جو شخص بغیر کسی عذر کے نماز جان بوجھ کر ترک کردے اور اس کا وقت چلا جائے "فھو کافر" وہ کافر ہے۔"

حضرت ابن مبارک اہل حدیث تھے ان کا مسلک، اہل رائے کوفیہ کے خلاف تھا۔ امام اسحاق بن راہویہ کی شہادت یہ ہے کہ تمام اہل علم کا عہد نبوی سے لے کر ہمارے زمانہ تک یہ مذہب چلا آرہا ہے کہ جو شخص عمداً نماز کا تارک ہے وہ کافر ہے۔ مجھے حیرانگی اور تعجب ہے اکثر زمانہ کے اہل حدیث علماء پر کہ وہ اہل رائے کوفیوں کا مذہب اختیار کیے ہوئے ہیں کہ بے نماز مومن اور مسلمان ہے لیکن گنہگار ہے کافر خارج از اسلام نہیں کہتے اور بے نمازوں کا نکاح، جنازہ کر دیتے ہیں۔ البتہ علماء خاندان روپڑ اور علماء جماعت غرباء اہل حدیث بے نماز کو کافر جانتے اور کہتے ہیں۔ نہ ان کا نکاح کرتے ہیں اور نہ جنازہ پڑھتے ہیں۔ جیسا بے نماز کے بارہ میں بحث ہو تو اہل کوفہ کے مقلدین کی طرح بے نمازوں کے وکیل بن کر مقابلہ میں آجاتے ہیں۔ ملک میں بے نمازوں کی اکثریت مقلدین اہل رائے اور نام نہاد اہل حدیث وکلاء کے باعث پیدا ہوئی ہے۔ جب بے نمازوں کی تردید تحریراً یا تقریراً کی جاوے تو یہ بے نمازوں کے وکلاء ان کی حمایت کریں گے۔ ان کو مسلمان اور مومن ثابت کرنے کی کوشش کریں گے اور جنتی بنائیں گے اور ایسے دلائل عامہ پیش کریں گے جن کی رُو سے مرزائی وغیرہ بھی مومن اور جنتی ثابت ہو جائیں گے جو بالاتفاق کافر اور خارج از اسلام ہیں۔

جب کوئی عالم بے نماز کا جنازہ نہ پڑھے تو یہ بے نمازوں کے وکیل ان کا جنازہ پڑھ دیں گے۔ اسی وجہ سے کوئی دائمی بے نماز بھی بغیر جنازہ کے دفن نہیں ہوا حالانکہ بے نمازوں کے کافر اور مشرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے کیونکہ بے نماز کا کفر اکفر بواح ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب الامارت ص۳۲۹ میں عبادہ بن صامتؓ کی روایت ہے جس میں امیر کی اطاعت اور بیعت کا حکم ہے کہ امارت کے مستحق سے امارت نہ چھینیں گے اور اس شرط پر بیعت کی مگر یہ کہ (الا ان تروا کفرا بواحا) ان میں کفر صریح دیکھیں جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی دلیل موجود ہو۔ اس کے ساتھ ہی دوسری حدیث بروایت عوف بن مالک اشجعی وارد ہے اس میں اسی حکم کے سلسلہ میں یہ الفاظ وارد ہیں۔

"قلنا یارسول اللہ افلا ننابذھم عند ذلک قال لا ما اقاموا فیکم الصلوٰۃ لا ما اقاموا فیکم الصلوٰۃ ہم نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم اس وقت ان سے بیعت نہ توڑ دیں؟

فرمایا نہ، جب تک وہ تم میں نماز قائم رکھیں۔ نہ، جب تک وہ تم میں نماز قائم رکھیں۔ پہلی حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ امیر نیک ہو یا بُرا ہر حال میں اس کی اطاعت کرو۔ اور اس کی بیعت نہ توڑو مگر یہ کہ قطعی دلیل سے اس کا صریح کفر ثابت ہو تو پھر اس کی بیعت توڑ کر اس کا مقابلہ کرو اور دوسری حدیث میں یہ فرمایا ایسے امیر کی تابعداری بہرحال ضروری ہے مگر یہ کہ نماز قائم نہ کریں تو ان سے علیحدہ ہو جاؤ اور ان سے جنگ کرو۔ دونوں حدیثوں میں استثناء سے حصر ثابت ہے تو ترکِ نماز کفرِ صریح ثابت ہوا۔ اور ترکِ نماز کفرِ بواح ہے ورنہ دونوں حدیثوں میں تعارض اور تضاد پیدا ہوگا جو سراسر باطل ہے جب کہ ترکِ نماز پر کفر دیگر حدیثوں میں وارد ہو چکا ہے تو یہاں بھی ترکِ نماز کو کفرِ بواح قرار دینا ضروری ہے تاکہ دونوں حدیثوں میں مطابقت قائم رہے مشکوٰۃ کے حاشیہ پر یہ لکھا ہے:

"وفیہ ان ترك الصلوٰۃ موجب لمنابذتھم ونزع الید من طاعتھم لان الصلوٰۃ عماد الدین والفارق بین الکفر والایمان بخلاف سائر المعاصی" (حاشیہ ص ۳۱۹) یعنی اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ نماز ترک کرنا بیعت توڑنے اور اطاعت چھوڑ کر امیر کا مقابلہ کرنے کا موجب ہے کیونکہ نماز اسلام کا ستون ہے جو کفر اور ایمان کے درمیان فرق کرنے والی ہے یعنی نماز پڑھتا ہے تو مومن ہے اور نماز نہیں پڑھتا تو کافر ہے دیگر گناہوں کا یہ درجہ نہیں ہے۔ اور بے نماز کے کفرِ حقیقی ہونے پر یہ بھی ایک دلیل ہے کہ انسان کے تمام اعمال صالحہ کا قبول ہونا نماز پر موقوف ہے جیسے کلمۂ توحید پر موقوف ہے۔

علامہ ابن القیم کتاب الصلوٰۃ میں فرماتے ہیں: "فقبول سائر الاعمال موقوف علی قبول الصلوٰۃ فاذا ردت ردت علیہ سائر اعمالہ" یعنی سب اعمال صالحہ کی قبولیت، نماز کی قبولیت پر موقوف ہے اگر نماز رد کی گئی تو تمام اعمال رد کیے جائیں گے چنانچہ اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش کی گئی ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قیامت کے دن اول حساب نماز کا لیا جائے گا: "فان صلحت صلح سائر عملہ وان فسدت فسد سائر عملہ" (رواہ الطبرانی فی الاوسط قال السیوطی صحیح) یعنی اگر نماز درست ہوئی تو باقی اعمال بھی درست ہوں گے اور اگر نماز خراب نکلی تو تمام اعمال فاسد قرار دیے جائیں گے" اور دوسری روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فمن اداھا بحقھا قبلت منہ وقبل منہ سائر عملہ ومن ردت علیہ صلوٰتہ رد علیہ سائر عملہ" (رواہ البزار باسناد حسن) یعنی "جس شخص نے نماز کو کما حقہ، ادا کیا اور وہ قبول کی گئی تو اس

کے باقی اعمال بھی قبول کیے جائیں گے اور اگر نماز رد کی گئی تو تمام اعمال رد کیے جائیں گے۔" (ترغیب)

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں۔" اما ترکہا بالکلیۃ فانہ لا یقبل معہ عملہ کما لا یقبل مع الشرک عمل" یعنی جو شخص نماز کا کلی طور پر تارک ہے تو اس کا کوئی نیک عمل قبول نہیں جیسے مشرک کا کوئی عمل قبول نہیں ہے کیونکہ دونوں خارج از ملتِ اسلام ہیں۔

ترغیب جلد ا صفحہ ۲۳۶ میں یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا وہ نماز پڑھ رہا تھا اور رکوع و سجود پورے طور پر ادا نہ کرتا تھا ٹھونگورے مارتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو یہ فرمایا۔

"لو مات علی حالہ ھذا مات علی غیر ملۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی اگر یہ شخص اسی طرح نماز پڑھتا ہوا مر گیا تو ملتِ محمدؐ پر نہ مرے گا۔ بے دین ہو کر مرے گا۔"

اس حدیث کے حاشیہ پر ایک عالم باللہ نے یہ لکھا ہے" لانہ لا یتم ارکان صلوٰتہ فبطلت فانہدم رکن من اسلامہ فخرج منہ" یعنی چونکہ وہ ارکانِ نماز کو پورے طور پر ادا نہ کرتا تھا تو اس کی نماز باطل ہو گئی۔ فرض ادا نہ ہوا تو اس سے اسلام کا رکن گر گیا پس وہ اسلام سے خارج ہوا۔"

دوسری روایت صفحہ ۲۳۶ میں ہے کہ بلالؓ نے ایک شخص کو اس طرح نماز پڑھتے دیکھا تو یہ فرمایا کہ" لو مات ھذا لمات علی غیر ملۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم" یعنی اگر یہ شخص اسی حال میں نماز پڑھتا ہوا مر گیا تو ملت محمدیؐ پر نہ مرے گا۔ اس سے خارج ہو کر مرے گا۔ ایک صحیح حدیث میں ایک صحابی کی نماز کا قصہ ہے کہ اس نے جلدی جلدی نماز پڑھی اور رکوع سجود پورا نہ کیا جب جانے لگا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا:" ارجع فصل فانک لم تصل" یعنی اے شخص واپس لوٹ کر نماز پڑھ، تو نے نماز نہیں پڑھی:" اس طرح تین دفعہ اس سے نماز پڑھائی اس حدیث سے بھی ظاہر ہوا کہ جلد باز کی نماز نہیں ہوتی اور وہ بے نماز خارج از ملتِ اسلامیہ ہے۔

خلاصہ تمام دلائل کا یہ ہوا کہ بے نماز کافر، مشرک خارج از ملتِ اسلامیہ ہے اور اس کا کوئی نیک عمل قبول نہیں اور وہ فرعون، قارون وغیرہ کفار کے ساتھ دوزخ میں جائے گا اور وہ دائمی جہنمی ہے۔

قرآن میں ہے کہ اہل جنت اہل جہنم سے دریافت کریں گے کہ تم جہنم میں کیوں گئے تو وہ

یہ جواب دیں گے کہ "لم نک من المصلین" "ہم بے نماز تھے"۔

نواب العلماء نے ہدایۃ السائل کے ص ۳۰۲ میں تارک نماز کے بارہ میں مالہ وما علیہ مکمل بحث کی ہے اور آخر میں یہ فیصلہ دیا ہے۔ "نقول من سماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافرا سمیناہ کافرا ولا نزید علی ھذا المقدار ولا نتاول شیئا" کہ جس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کہا ہے ہم بھی کافر کہیں گے اس مقدار سے زائد کچھ نہیں کہتے اور ہم ان حدیثوں کی تاویل نہیں کرتے جن میں بے نماز کی تکفیر کی گئی ہے"۔ اور یہ نقل کیا ہے "کان اصحٰب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یرون شیئا من الاعمال ترکہ کفر غیر الصلوٰۃ" اور فرماتے ہیں: "ظاہر ازیں صیغہ آں است کہ ایں مقالہ مجمع علیہ صحابہ است"۔ یعنی "صحابہ کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ بے نماز کافر ہے"۔

منکرین کفر بے نماز کو اپنا بھائی بنانے کے جو دلائل پیش کرتے ہیں وہ عام اور مجمل ہیں جو دلائل خاصہ کے مقابلہ میں قابلِ استدلال نہیں ہیں کہ اصول کے خلاف ہے اور یہ طرزِ استدلال مرزائیوں کا ہے کہ وہ حیات و رفعِ مسیح کے دلائل کو نظر انداز کر کے عام دلائل موت مسیح پر پیش کرتے ہیں۔

مجددِ ملتِ بریلویہ احمد رضا خاں بریلوی کو وہ اصول مسلم ہے۔ چنانچہ احکامِ شریعت حصہ اول کے ص۱۹ پر لکھا ہے:۔

"بعض جہال بدمست یا نیم ملا شہوت پرست، یا جھوٹے صوفی بادہ بدست، کہ احادیث صحیحہ مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقع یا متشابہ پیش کرتے ہیں انھیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف اور متعین کے آگے محتمل، محکم کے حضور متشابہ واجب الترک ہے"۔

اسی طرح مولانا میر سیالکوٹی مرحوم نے اپنی کتاب "شہادۃ القرآن" حصہ دوم ص۱۶ میں قاعدہ ۴ میں لکھا ہے کہ "کوئی امر کسی خاص دلیل سے ثابت ہو تو اس کے خلاف، عام دلیل سے تمسک کرنا جائز نہیں"۔

علمائے کرام کی تائیدات

میرے اس مسلک کی تائید کہ بے نماز کافر خارج از اسلام ہے۔ دیگر علمائے کرام سے بھی پائی جاتی ہے۔ بندہ اس مسلک میں متفرد نہیں ہے۔ اگرچہ صحابہ کرام کے ہوتے ہوئے کسی کی تائید کی ضرورت نہیں ہے خصوصاً حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی وغیرہ کرم اللہ وجہہم

کے فرمان کے ہوتے ہوئے کسی کی حاجت نہیں ہے

گدایاں را ازیں معنیٰ خبر نیست کہ سلطان جہاں با ماست امروز

تاہم عوام کی تسلی اور اطمینان کے لیے چند محققین علمائے عظام کی تائیدات پیش کرتا ہوں:

تاج الاولیاء شیخ جیلانی کا فتویٰ۔ غنیۃ الطالبین میں ہے کہ بے نماز خواہ نماز کی فرضیت کا قائل ہو اور سستی اور غفلت سے نماز چھوڑ دے۔ "کفر وقتل بالسیف لکفرہ" "وہ کافر ہوا اس کو تلوار سے قتل کیا جاوے کیونکہ اس نے کفر کیا ہے"۔ "یکون ماله فیئا یوضع فی بیت المسلمین" اور "اس کا مال لوٹ کر مسلمانوں کے بیت المال میں رکھا جائے"۔ "لایصلی علیہ ولا یدفن فی مقابر المسلمین" کہ "نہ بے نماز کا جنازہ پڑھا جائے اور نہ اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے"۔

میزان شعرانی میں بعض علماء حنابلہ کا یہ فتویٰ منقول ہے "وتجری علیہ احکام المرتدین فلا یصلی علیہ" یعنی "بے نماز پر مرتدوں کے احکام جاری کیے جائیں اور نماز جنازہ اس پر نہ پڑھی جائے۔"

کشف الغمام صہ ۶۲ میں علامہ سید ابوبکر بن حسن بن اسد اللہ لکھتے ہیں کہ "بے نماز کا حشر کفار کے ساتھ ہوگا ایسے شخص کا جنازہ نہ پڑھنا چاہیے اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔"

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے ترجمان القرآن میں اور امام ابن القیم نے کتاب الصلوٰۃ میں تصریح کی ہے "بے نماز کافر ہے اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔"

جامع البیان کے حاشیہ پر عقیدہ صابونیہ مطبوع ہے جس میں مسلک اہل حدیث اور ان کے عقائد درج ہیں صہ ۲۹۵ میں یہ لکھا ہے "واختلف اهل الحدیث فی تارك المسلم صلوٰۃ الفرض متعمدا فکفرہ بذلك احمد بن حنبل وجماعة من علماء السلف واخرجوه من الاسلام للخبر الصحیح بین العبد والشرك ترك الصلوٰۃ فمن ترك الصلوٰۃ فقد کفر" یعنی "اہلحدیث کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ مسلمان شخص عمداً نماز ترک کردے تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام احمد اور علمائے سلف کی ایک جماعت تو یہ کہتی ہے کہ وہ کافر ہوا اور اسلام سے خارج ہوا کیونکہ صحیح حدیث میں یہ وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ اور مشرک میں حد فاصل نماز ہے۔ اگر کسی شخص نے نماز چھوڑ دی تو وہ کافر ہوا۔" امام شافعی اور ایک جماعت سلف کی بے نماز کو کافر نہیں

سمجھتے۔ اور اس حوالہ سے یہ ظاہر ہوا کہ امام احمد اور علمائے سلف کی ایک جماعت بے نماز کو کافر خارج از اسلام کہتے ہیں۔ از روئے دلائل یہی حق اور صواب ہے۔ باقی خطا ہے۔

علامہ محقق مولانا محمد عبدالرزاق حمزہ امام ثانی حرم مکہ شریف نے اپنی کتاب الصلوٰۃ ملحقہ کتاب الصلوٰۃ امام احمد و علامہ ابن القیم میں تارک الصلوٰۃ کو احادیث نبویہ و اقوال صحابہ نقل کر کے کافر مرتد ثابت کیا ہے۔ یہی ان کا مسلک ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۹ پر حاشیہ مولانا ابراہیم نے لکھا ہے۔ اس میں وہ یہ فرماتے ہیں۔

"قد تضافرت النصوص الصحیحۃ الصریحۃ فی کفر تارک الصلوٰۃ و خروجہا من الملۃ" یعنی تارکِ صلوٰۃ کے کافر ہونے اور ملتِ اسلامیہ سے خارج ہونے پر احادیث صحیحہ صریح وارد ہیں جو ایک دوسری کی تائید و تقویت کرتی ہیں۔ پھر بعض حدیثوں کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ "کما ان الشہادتین شرط فی صحۃ الاسلام وھما من ارکان الاسلام ولا یقبل عمل الا باتیان بہا فکذلک الصلوٰۃ لانہا الرکن الاکبر الفعلی والا تیان بہا شرط فی قبول الاعمال الاخری" یعنی "جس طرح کلمۂ شہادت اسلام کے صحیح ہونے کے لیے شرط ہے اور وہ رکن اسلام ہے اور اس کے بغیر کوئی عمل صالح قبول نہیں ہے۔ اسی طرح نماز بھی رکنِ اکبر فعلی ہے جس کا بجالانا اعمالِ صالحہ کے قبول ہونے کی شرط ہے اس لیے اس کے ترک پر کفر کا اطلاق آیا ہے اور یہ کفر دیگر بعض اعمالِ صالحہ پر اطلاق کفر کی طرح نہیں ہے کیونکہ اس کا ترک رکنِ اسلام کا ترک ہے۔

"مجموعۃ الرسائل والمسائل نجدیہ کے صفحہ ۶۲ میں تارک الصلوٰۃ کو کافر قرار دیا گیا ہے چنانچہ لکھا ہے۔ "وقال ابن رجب رحمہ اللہ تعالیٰ ظاہر کلام احمد وغیرہ من الائمۃ الذین یرون کفر تارک الصلوٰۃ ان من ترکہا یکفر بخروج الوقت علیہ" (الی قولہ) ثم استدل لذلک بالاحادیث التی فیہا ذکر کفر تارک الصلوٰۃ" اھ یعنی" امام ابن رجب نے کہا کہ ظاہر کلام امام احمد اور ان ائمہ کا جو تارک الصلوٰۃ کو کافر کہتے ہیں یہ ہے کہ جب نماز چھوڑ دی وہ کافر ہوا جبکہ اس نماز کا وقت چلا گیا۔" پھر ان حدیثوں سے استدلال کیا ہے جو بے نماز وں کے کافر ہونے پر دلیل ہیں۔"

ہمارے پنجاب کے علماء مشاہیر میں سے حضرت العلامہ مولانا حافظ عبداللہ صاحب روپڑی

مفتی پاک و ہند مشہور محدث رحمہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں "نماز کا تارک کافر ہے"۔ حدیث میں ہے "من ترك الصلوٰة متعمداً فقد كفر" (ترغیب ترہیب صہ ۹۵) یعنی جو دیدہ دانستہ نماز ترک کر دے وہ علانیہ کافر ہے جس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں ہے اور جب کافر ہوا تو ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔
(عبداللہ امرتسری از روپڑ۔ ۵ا ذیقعدہ ۱۳۵۳ھ۔ منقول از فتاویٰ اہل حدیث جلد ۲ صہ ۳)

اور صہ ۲۶ پر بے نماز کے نماز جنازہ کے بارہ میں یہ لکھا ہے "بے نماز کا جنازہ نہ پڑھنا چاہیے۔ جس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ بے نماز کافر ہے اور کافر کی نماز جنازہ نہیں ہوتی۔ دوم بے نمازوں کو تنبیہ ہو جائے گی جیسے خودکشی کرنے والے پر اور مقروض پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ حالانکہ خودکشی اور قرض سے ترکِ نماز بڑا گناہ ہے پس اس کی وجہ سے بطریقِ اولیٰ نماز جنازہ ترک ہونی چاہیے"۔

رہا بے نماز کی اولاد کا مسئلہ تو اس کے متعلق ظاہر الحکم حدیث "ہم من آبائہم" وہ اپنے باپوں میں سے ہیں" اصل تو یہی ہے کہ نمازِ جنازہ نہ پڑھے کیونکہ کافروں کی اولاد ظاہری احکام میں ماں باپ ہی کے تابع ہیں۔ انتہی بقدر الحاجۃ۔

جناب مناظرِ اسلام حضرت العلام مولانا ثناء اللہ صاحب فاضل امرتسری بے نماز کے بارہ میں یہ فتویٰ صادر فرماتے ہیں کہ سائل نے سوال کیا کہ ہم نے گزشتہ جمعہ میں مولوی عبدالتواب صاحب غزنوی سے ایک حدیث سنی کہ حافظِ قرآن جنت میں بغیر حساب جائیں گے۔ اب وہ حفاظ جو تارک الصلوٰۃ ہیں ان کے لیے کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں یہ ارشاد ہے کہ تارک الصلوٰۃ کے لیے وہی حکم ہے "فقد کفر" یہ حکم تو کسی طرح ٹل نہیں سکتا (فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صہ ۳۵) "فقد کفر" جملہ حدیثِ نبوی کا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بے نماز کافر ہے۔ پس جب تک وہ توبہ کر کے نمازی نہ ہو کافر رہے گا۔

اور صہ ۳۳ میں ایک سائل کا یہ سوال درج ہے۔

س۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسلمانوں کو غیر رمضان میں ایک رکعت نماز پڑھنے کا ثواب رمضان المبارک میں ستر رکعت نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے تو زید تارکِ صلوٰۃ ہے اور دنوں میں کبھی بھول کر بھی ایک وقت کی نماز نہیں پڑھتا البتہ ماہ صیام میں ایک ماہ نماز پنج گانہ باجماعت مع تراویح کے پڑھتا ہے۔ جواب طلب ہے کہ زید بھی مذکورہ بالا حدیث کی روایت کے مطابق ستر گنا ثواب کا حق دار ہو گا یا نہیں؟

اس کا جواب مولانا مرحوم نے یہ ارشاد فرمایا "تارکِ نماز جب تک توبہ کر کے پابندِ نماز نہ ہو جائے رمضان شریف کے ثواب موعودہ کا حق دار نہیں۔"

اور ص ۵۶ میں ایک شخص کا سوال درج ہے کہ "بے نماز کا نمازِ جنازہ پڑھا جائے یا نہ؟"

اس کا جواب مولانا فاضل امرتسری نے یہ دیا ہے۔ "بے نمازی کے جنازہ کا سوال اس کے کفر کی فرع ہے۔ جن علماء کے نزدیک بے نماز کافر ہے اس کی نمازِ جنازہ جائز نہیں سمجھتے۔ حضرت پیر صاحب بغدادیؒ اور حافظ ابن قیمؒ بھی اسی گروہ میں ہیں۔ جو اس کو کافر نہیں فاسق سمجھتے ہیں وہ نمازِ جنازہ جائز کہتے ہیں۔ حنفیہ کا یہی مسلک ہے۔ پہلے مذہب کی دلیل قوی ہے اس میں تنبیہ بھی ہے۔"

جناب حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ہدایت المبتدی کے ص ۱۲ میں ارشاد فرماتے ہیں "جاننا چاہیے کہ مخبرِ صادقؐ نے یہ فرمایا کہ جس آدمی نے نماز نہ پڑھی وہ کافر ہے۔ نیز صحابہ کرامؓ بے نماز کو کافر جانتے تھے۔ قتل کرنے کا حکم شرعاً بے نمازی کے لیے ثابت ہے۔ اس کا مال لوٹ لینا، خون بہانا ان سبھی کی شریعت اجازت دیتی ہے۔ بے نمازی کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔ بے نماز اس لائق نہیں کہ اس کا جنازہ پڑھا جائے یا اس کو مسلمانوں کے گورستان میں دفن کیا جائے۔ بلکہ بے نماز کا حشر فرعون، ہامان قارون، ابی بن خلف کفار کے ساتھ ہوگا۔ مگر یہ کہ فی الفور سنتے ہی توبہ کر لے، نماز پر مستعد ہو جائے۔"

نیز یاد رہے کہ جو شخص کسی وقت کی نماز پڑھتا ہے اور کسی وقت کی چھٹ کر جاتا ہے یا جمعہ پڑھتا ہے یا رمضان ہی میں پڑھتا ہے تو وہ بھی بے نماز ہی ہے۔

صحیح مسلم وغیرہ میں مرفوعاً ثابت ہے کہ بے نماز مشرک ہے۔ طبرانی میں ابن عمرؓ سے مرفوعاً ثابت ہے کہ بے نماز کا کچھ دین نہیں ہے۔

نیز طبرانی وغیرہ میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً ثابت ہے کہ بے نماز ملتِ دینِ اسلام سے خارج ہے اور قرآنِ فرقان میں رب العالمین فرماتا ہے کہ "بے نماز دوزخی ہے۔"

اسی طرح دیگر بہت سے علمائے کرام کی تائیدات ہیں۔ بندہ انہی پر ہی کفایت کرتا ہے۔ والسلام

(عبدالقادر عارف حصاری)

نقد و بحث مولانا برق التوحیدی

اشتراک فی القتل

(بسلسلہ تعزیرات اسلام) قسط (۶)

محترم قارئین کرام اس سے قبل آپ مسلمان کو ذمی کے بدلے قتل کرنے کے متعلق پڑھ چکے ہیں، اب ہم اسی قسط کے ساتھ متعلق دوسرے مسئلہ کی طرف آتے ہیں کہ اگر ایک قتل میں متعدد آدمی ملوث ہوں تو کیا ان میں سے ایک کو قتل کیا جائے گا یا تمام کو ــــــ لیکن اس مسئلہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ آدمی کو متعدد افراد مل کر برضا و رغبت قتل کرتے ہیں، دوسری یہ کہ ایک آدمی کو دوسرا مجبور کرتا ہے کہ تو فلاں آدمی کو قتل کر دے اور وہ کرہاً قتل کر دیتا ہے تو کیا دونوں پر قصاص ہوگا یا صرف آمر یا مامور پر ؟

جہاں تک پہلی صورت کا تعلق ہے تو تقریباً ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ ایک کے بدلے تمام کو قتل کیا جائے گا۔ البتہ اہل ظاہر اس کے خلاف ہیں، علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ:

"وجملتہ ان الجماعۃ اذا قتلوا واحدا فعلی کل واحد منھم القصاص اذا کان کل واحد منھم لو انفرد بفعلہ وجب علیہ القصاص روی ذالک عن عمر و علی والمغیرۃ بن شعبۃ وابن عباس وبہ قال سعید بن المسیب والحسن وابو سلمۃ و عطاء وقتادۃ وھو مذھب مالک والثوری والاوزاعی والشافعی وابی ثور واصحاب الرائی ۔" (مغنی ص ۳۶۶ ج ۹)

اس کے بعد موصوف فرماتے ہیں" ولنا اجماع الصحابۃ رضی اللہ عنھم"۔ یعنی اس بات پر صحابہ کرام کا اجماع ہے۔ کیونکہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر اس قتل میں تمام اہل صنعاء شریک ہوتے تو بھی میں تمام کو قتل کروا دیتا ــــــ تو کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر اعتراض نہ کیا بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک کے بدلے تین کو قتل کیا اور اسی طرح ابن عباسؓ نے ایک قتل میں ملوث متعدد افراد کو قتل کروا دیا تھا لیکن کسی صحابی نے اس کا انکار نہ کیا جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا اس بات پر اتفاق تھا کہ ایک کے بدلہ میں متعدد

ملوث افراد کو قتل کیا جائے گا۔

حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا جو عمل سنن دار قطنی اور بیہقی وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ترمذی میں حضرت ابو سعید، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

"لو ان اهل الارض اشتركوا في دم مومن لاكبهم الله في النار"۔

اس کا بھی تقاضا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ آخرت کے بدلے میں تمام کو عذاب دے گا دنیا میں بھی ان تمام پر حد کا اجراء ہو۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"وقد سمعت عددا من المفتين وبلغني عنهم انهم يقولون اذا قتل الرجلان او الثلاثة او اكثر الرجل عمدا فلوليه قتلهم معا" (كتاب الام ص۱۹۵ ج ۶)

امام ابوبکر رازیؒ "ومن يقتل مؤمنا متعمدا" کے بعد فرماتے ہیں کہ۔

"ولا خلاف ان هذا الوعيد لاحق بمن شارك غيره في القتل وان عشرة لو قتلوا رجلا عمدا لكان كل واحد منهم داخلا في الوعيد قاتلا للنفس يلزمه من الكفارة ما يلزمه المنفرد من القتل" (احکام القرآن ص۱۷ ج ۱)

علامہ ابن رشدؒ اسی مسئلہ پر تفصیلی نوٹ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"فان جمهور فقهاء الامصار قالوا تقتل الجماعة بالواحد منهم مالك وابو حنيفة والشافعي والثوري واحمد وابو ثور وغيرهم سواء كثرت الجماعة او قلت وبه قال عمرؓ حتى روى انه قال لو تمالأ عليه اهل صنعاء لقتلتهم جميعا۔" (بدایۃ المجتهد ص۲۹۹ ج ۲)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"اذا اشتركوا في قتله وجب القود على جميعهم باتفاق الائمة الاربعة"!

(فتاوی ص۱۳۹ ج ۳۴)

ان تمام حوالہ جات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فقہاء و محدثین عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اسی طرف گئے ہیں کہ اگر چند آدمی مل کر کسی کو قتل کر دیں تو قصاصاً ان تمام کو قتل کیا جائے گا۔ البتہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ قصاص میں مساوات

ضروری ہے۔ اب یہاں جب مساوات نہیں لہذا قصاص میں جمیع کو قتل نہیں کیا جائے گا جیسا کہ امام احمد سے بھی ایک روایت ہے لیکن یہ بات اس وجہ سے درست نہیں کہ اس حکم کا جو پس منظر ہے وہ یہ ہے کہ اہلِ عرب ایک کے بدلے متعدد افراد کو محض قبائلی تعصب اور فخر کی وجہ سے قتل کر دیتے تھے خواہ کوئی شخص قتل میں ملوث ہوتا یا نہ ——— تو اسلام نے آکر اس ناانصافی کو ختم کرتے ہوئے یہ اصول بنایا کہ جو افراد قتل میں ملوث ہوں صرف انہی کو قتل کیا جائے خواہ وہ کوئی ہوں لیکن کسی دوسرے کو قتل نہ کیا جائے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ :

"والجواب ان المراد بالقصاص فی الآیۃ قتل من قتل کائنا من کان ردا علی العرب التی کانت ترید ان تقتل بمن قتل من لم یقتل وتقتل فی مقابلۃ الواحد مائۃ افتخارا واستظهارا بالجاہ والمقدرۃ فامر اللہ سبحانہ بالعدل والمساواۃ وذلک بان یقتل من قتل" الخ (تفسیر قرطبی ص۲۵۱ ج ۲)

لیکن تعجب ہے کہ احناف یہاں تو مساوات کی پروا نہیں کرتے لیکن ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کرنے میں مساوات کے اصول کو بنیاد بنا کر انکار کر دیتے ہیں جبکہ مماثلت من کل الوجوہ مراد نہیں ہوتی علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں :۔

"حتی لو قتل جماعۃ واحدا یقتلون بہ قصاصا وان یکن بین الواحد والعشر مماثلۃ لوجود مماثلۃ الفعل"۔ (البدائع والصنائع ص۴۶۲۳ ج ۱۰)

حصولِ مقصد اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف کے ضمن میں قصاص کا جو فلسفہ اور حکمت بتائی ہے اس کا بھی یہی تقاضا ہے کہ حصولِ مقصد کے لئے تمام ملوث افراد پر حد قائم کی جائے یقیناً اگر ایسا نہ کیا جائے تو ان وارداتوں میں ناقابلِ تصور اضافہ ہونا عین ممکن ہے اور ایسی خانہ جنگی یا جاہلیت کی لڑائیوں کا قصہ طولانی شروع ہو جائے گا کہ ختم ہونے کو نہ آنے کے ساتھ اسلامی حدود کا تعطل بھی واضح ہو جائے گا۔ لہٰذا ان امور کا تقاضا یہ ہے کہ تکمیل مقصد کے لئے ایک قتل میں ملوث تمام افراد کو مساوی سزا دی جائے۔ علامہ قرطبیؒ نے اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ :

"فلو علم الجماعۃ انہم اذا قتلوا الواحد لم یقتلوا لتعاون الاعداء علی قتل اعدائہم بالاشتراک فی قتلہم وبلغوا الامل من التشفی ومراعاۃ ھذہ القاعدۃ اولی من مراعاۃ الالفاظ واللہ اعلم" (قرطبی ص۲۵۲ ج ۲)

علامہ کاسانی حنفی اسی مفہوم کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ:

"واحق مایجعل فیہ القصاص اذا قتل الجماعۃ الواحد لان القتل لا یوجد عادۃ الا علی سبیل التعاون والاجتماع فلو لم یجعل فیہ القصاص لانسد باب القصاص اذ کل من رام قتل غیرہ استعان بغیرہ یضمہ الی نفسہ لیبطل القصاص عن نفسہ وفیہ تفویت ماشرع لہ القصاص وھو الحیاۃ" (البدائع صہ ۴۶۲۹ ج ۱۰)

یعنی اگر ایسا نہ کیا جائے تو قصاص کا اصل مقصد جو بقائے زندگی ہے وہ فوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ مسئلہ قصاص بھی باطل ہو جاتا ہے۔ بنا بریں ضروری ہے کہ منشائے شریعت کے مطابق ایک قتل میں ملوث تمام افراد کو قتل کیا جائے تاکہ ایسے جرائم کا انسداد ممکن ہو۔ وگرنہ لوگ پہلے سے بھی زیادہ جماعت کی آڑ میں قتل واحد کا ارتکاب کریں گے۔ اور زمین میں ایک ختم نہ ہونے والا فساد برپا ہوگا اور زندگی کا بقا مشکل ہو جائے گا۔

علامہ ابن رشد فرماتے ہیں کہ:

"فانہ مفہومات القتل انما شرع لنفی القتل کما نبہ علیہ الکتاب فی قولہ تعالٰی "ولکم فی القصاص حیاۃ یا اولی الالباب" واذا کان ذلک کذلک فلو لم تقتل الجماعۃ بالواحد لتذرع الناس الی القتل بان یتعمد وا قتل الواحد بالجماعۃ (بدایۃ المجتہد صہ ۳۰۰ ج ۲)

دوسری صورت

اس صورت کے دو جزء ہیں اول صرف یہ کہ جسے مجبور کیا گیا ہے اس پر حد ہوگی یا نہیں دوم یہ کہ اکراہ کب متحقق ہوتا ہے یعنی مجبوری کا تعین۔

جہاں تک پہلے جزء کا تعلق ہے اس میں شوافع، مالکیہ اور حنابلہ تقریباً متفق ہیں کہ قصاص دونوں پر ہوگا کیونکہ آمر نے حکم دیا ہے اور مامور نے براہ راست اس فعل کا ارتکاب کیا ہے البتہ بعض شوافع کا قول یہ بھی ہے کہ قصاص صرف آمر پر ہوگا مامور پر نہیں جس کو علامہ عبدالرحمٰن الجزیری نے تفصیلاً ذکر کیا ہے اس قول کو ذکر کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:۔

وقیل القصاص علی المکرہ بالکسر اما المکرہ بالفتح فلا قصاص علیہ لقول الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیہ ولانہ کالآلۃ فی ید المکرہ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ صہ ۲۸۵ ج ۵)

یعنی اکراہ اور جبر کی صورت میں مامور صرف آلہ کی حیثیت سے ہوتا ہے اب حاکم

اور آمر اسے جیسے چاہے استعمال کر سکتا ہے جس کی وجہ سے اس پر حد نہیں ہوگی۔

یاد رہے کہ اس قول کو علامہ جزیری نے بصیغہ مجہول ذکر کیا ہے جس سے اشارہ ہوتا ہے یہ قول شوافع کا محقق اور اصل قول نہیں لیکن آگے چل کر بصیغہ معروف فرماتے ہیں کہ:

قال الشافعية لا يجوز للمكره بالفتح الاقدام على القتل المحرم لذاته وان لم يجب عليه القصاص بل عليه الاثم يوم القيامة الخ (ایضا ج۵ ص۲۸۹)

یعنی شوافع سے دو روایتیں منقول ہیں اب فقہ شافعیہ کی مفصل و مستند فقہی کتابوں کی عدم موجودگی میں یہ فیصلہ کرنا ہمارے لیے مشکل ہے کہ صحیح اور راجح قول کون سا ہے اس کم مائیگی پر ہم اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہیں اور اہل ثروت احباب جماعت سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد کی لائبریری کو ایسی کتابوں کا عطیہ دے کر ثواب دارین حاصل فرمائیں تاکہ اس قسم کا دینی اور جماعتی کام باحسن انداز سر انجام دیا جا سکے۔

ہاں البتہ علامہ جزیری ہی کے پیش کردہ مواد کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرا قول (یعنی عدم قصاص) راجح اور معتبر ہے کیونکہ ایک صورت کے ضمن میں موصوف نے شوافع سے دو صورتیں ذکر کی ہیں اور آخر میں نقل فرماتے ہیں کہ "الاظهر عدم القصاص" جبکہ یہ صورت مذکورہ مسئلہ سے اہون ہے یعنی اگر کوئی شخص دوسرے کو کہے کہ مجھے قتل کر دو ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا تو کیا قاتل پر قصاص ہوگا یا نہیں، جبکہ قتل اذن سے مباح نہیں ہوتا جیسا کہ زنا وغیرہ ہے اس کے بعد متصلا موصوف نقل فرماتے ہیں کہ:۔

وَلَوْ اَمَرَ السُّلْطَانُ شَخْصًا بِقَتْلِ اٰخَرَ ظُلْمًا بِغَيْرِ حَقٍّ وَالْمَامُوْرُ لَا يَعْلَمُ ظُلْمَ السُّلْطَانِ وَلَا خَطَاهُ وَجَبَ الْقَوَدُ وَالدِّيَةُ وَالْكَفَّارَةُ عَلَى السُّلْطَانِ فَقَطْ وَلَا شَيْءَ عَلَى الْمَامُوْرِ لِاَنَّهُ اٰلَتُهُ وَلَا بُدَّ مِنْهُ فِي السِّيَاسَةِ (ایضا ج۵ ص۲۹)

یعنی اصل مسئلہ کی صورت میں مامور صرف آلہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کی وجہ سے کفارہ اور حد وغیرہ آمر پر ہوگی نہ کہ مامور پر ــــ بالخصوص ایسے معاملات سیاسی حریفوں کے ساتھ ہوتے ہی رہتے ہیں یعنی حاکم اپنی سیاست کے پیش نظر اگر رعیت کے کسی آدمی سے مجبوراً قتل کروا دے تو حد حاکم پر ہوگی کیونکہ رعیت تو حاکم بالخصوص جابر حاکم کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

احناف علامہ جزیری فرماتے ہیں کہ آمر (یعنی جو کسی کو قتل پر مجبور کرتا ہے) پر ہوگی مامور پر

مجبور پر نہیں البتہ اسے تعزیری سزا ہوگی اور صحیح بات بھی تقریباً یہی معلوم ہوتی ہے کہ مامور پر بالکل حد نہ لگائی جائے کیوں کہ فرمان الٰہی ہے۔

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (بقرہ)

.... إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ ۔ الآیۃ (نحل)

یعنی اگر انسان محض اکراہ و جبر کی بنا پر کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو اسے معاف کر دیا جاتا ہے اور مذکورۃ الصدر حدیث سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ مجبور شخص پر کسی قسم کی حد نہیں البتہ اب یہ مسئلہ باقی ہے کہ اکراہ کونسا معتبر ہے اور وہ کب متحقق ہوتا ہے۔ دراصل یہ بات حالات پر منحصر ہے یعنی آمر اور مامور دونوں کے حالات پر۔ کیونکہ بعض اوقات انسان مالی طور پر مجبور ہو سکتا ہے کبھی اولاد اور کبھی ذاتی حیثیت سے وغیرہ وغیرہ۔

علامہ جزیری نے شوافع کے ضمن میں لکھا ہے کہ:

وَإِنَّمَا يَكُونُ الْمَأْمُورُ مُكْرَهًا بِالْفَتْحِ إِذَا كَانَ لَا يُمْكِنُهُ الْمُخَالَفَةُ كَخَوْفِ قَتْلٍ مِنَ الْآمِرِ أَوْ قَطْعِ عُضْوٍ أَوْ قَتْلِ وَلَدٍ فَإِنْ لَمْ يَخَفْ اقْتُصَّ مِنْهُ وَحْدَهُ دُونَ الْآمِرِ (الفقہ علی المذاهب الاربعہ ص ۱۹ ج ۵)

اسی طرح صفحہ ۲۸۸ ج ۵ پر رقم طراز ہیں:

والاکراہ لا یتم الا بالمتخوف بالقتل او باتلاف ما یخاف علیہ التلف من الاعضاء کالقطع والضرب الشدید وقیل یحصل الاکراہ بما یحصل بہ الاکراہ علی الطلاق من انواع التهدیدات۔

یعنی قتل کی دھمکی مال و اعضا کے اتلاف کا خطرہ یا دیگر تخویف اور ڈرانے دھمکانے کے جو بھی مروجہ طریقے ہوں وہ اکراہ کے ضمن میں آتے ہیں اور ان مختلف طریقوں کے ساتھ جس کو بھی اس بات پر مجبور کیا جائے کہ وہ کسی کو قتل کر دے تو اس کے ارتکاب پر اسے قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ حد اس پر جاری ہوگی جس نے اسے حکم دیا اور ڈرایا دھمکایا اور مجبور کیا ہے۔

علامہ ابن الہمام حنفی نے شرح ہدایہ میں اکراہ کی مفصل بحث کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

ان الاکراہ نوعان نوع یعدم الرضا ویفسد الاختیار وذلک بان یکون بقتل او بقطع عضو وهو الاکراہ الملجئ (فتح القدیر ص ۲۹۳ ج ۷)

یعنی اکراہ کی متعدد اقسام میں سے اکراہ ملجئ وہ ہے جس سے رضا ختم اور اختیار فاسد ہو جائے اور اس کا تحقق قتل یا قطع عضو وغیرہ سے ہوتا ہے۔

چنانچہ مسئلہ واضح ہو گیا کہ ایسے اکراہ کا مصداق قاتل قابل حد نہیں بلکہ حد حاکم اور آمر پر ہو گی جس نے اس کو مجبور کیا ہے۔

تفریعات

(۱) قاضی بشیر احمد صاحب نے دفعہ ۳، شرائط موجب قصاص کے ضمن میں شرط ۳ کے تحت لکھا ہے کہ:

"اگر قتل کرنے میں ایک سے زائد افراد شریک ہوں تو ان میں ایسا آدمی شریک نہ ہو جو اگر اکیلا جرم قتل کا مرتکب ہوتا تو اس کو قصاص کی سزا نہ دی جا سکتی" (ص ۱۵۳ ج ۸۹ ترجمان القرآن)

محترم قارئین کرام آپ کو یاد ہو گا سابقہ قانون سرقہ کے ضمن میں ہم بارہا اس بات کا اعادہ کر چکے ہیں کہ ایسی تفریعات سے دراصل جرائم پیشہ افراد کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے نہ کہ جرائم کا انسداد —— لہٰذا ایسے مخرب الاخلاق اور فساد فی الارض کے مصداق مضامین کا سلسلہ سیٹہ بند ہونا چاہیے لیکن نہ معلوم عشاق فقہ حنفی کے کانوں پر جوں تک کیوں نہیں رینگتی —— اور کتنے دکھ اور درد کی بات ہے کہ تعلیمات نبویہ کی پرواہ کیے بغیر بڑی دیدہ دلیری سے ایسے مضامین کی اشاعت جاری ہے۔

اور ایسے مضامین سے حیلہ سازی کی راہ ہموار ہوتی جو ابطال حدود پر منتج ہوتی ہے۔ اب کوئی صاحب خرد و دانش اس بات پر صاد نہیں کر سکتا کہ تین آدمی ایک شخص کو قتل کرتے ہیں اور ساتھ ایک بچے کو شامل کر لیتے ہیں تو ایسی صورت میں ان تمام پر حد قصاص جاری نہیں ہو گی یا کسی اور مرفوع القلم کو شامل جرم کر لیتے ہیں تو ان تمام سے حد رفع ہو جائے گی؟ ہرگز اور ہرگز نہیں عقل سلیم اس کا ابا کرتی ہے کہ اس طرح تو جرائم بڑھیں گے اور قصاص کی غرض و غایت بقائے زندگی ختم ہو کر رہ جائے گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ ایسی صورت میں مکلف سے تو قصاص لیا جائے البتہ غیر مکلف کو زیادہ سے زیادہ تعزیری سزا دی جا سکتی ہے اور یہی مسلک قرین شریعت ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:

ولو ان رجلا قتل رجلا وقتله معہ صبی او مجنون او حربی او من لا قود

علیہ بحال فمات من ضربهما معًا فان کان ضربهما معًا بما یکون فیہ القود قتل البالغ وکان علی الصبی نصف الدیۃ فی مالہ وکذالک المجنون۔ (کتاب الام ج ۶ ص ۲۲)

یہی مسلک مالکیہ کا ہے علامہ جزیری فرماتے ہیں کہ:۔

قالوا (المالکیۃ) اذا شارک بالغ عاقل مسلم صبیًا فی قتل رجل معصوم الدم علی التابید فانہ یجب قتل الکبیر دون الصبی ان تمالاًعا علی قتلہ و یجب علی عاقلۃ الصبی نصف الدیۃ (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج ۵ ص ۲۹۳)

شوافع اور حنابلہ کے تحت فرماتے ہیں:

قالوا اذا اشترک فی قتل النفس عامد و مخطئ او مکلف وغیر مکلف مثل عامد وصبی او عاقل او مجنون ۔۔۔۔ فانہ یجب قتل العاقل المکلف و یجب نصف الدیۃ علی عاقلۃ الصبی والمجنون (ج ۵ ص ۲۹۴)

البتہ علامہ ابن قدامہ نے مغنی میں امام احمد سے دو قول نقل فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ رح، امام احمد کے علاوہ حسن، اسحاق اور اوزاعی کا بھی یہی قول ہے کہ ان تمام سے حد قصاص ساقط ہو جائے گی نیز ایک قول امام شافعی کا بھی یہی ہے۔

تفریع ۲/۱ قاضی موصوف دفعہ ۲/۳ کی تمثیل ۵ میں فرماتے ہیں کہ اگر (انسان کے ساتھ قتل کرنے میں سانپ وغیرہ یا کوئی درندہ شریک ہو) تو شرکائے قتل سے قصاص ساقط ہو جائے گا۔

اس تفریع کی دراصل دو شکلیں ہیں اول یہ کہ آدمی کسی شخص کو مارتا ہے لیکن اتفاقاً کوئی درندہ بھی مضروب پر حملہ آور ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں دیکھا جائے گا کہ جس کا فعل موت کا سبب بنا ہے اگر انسان کا فعل سبب حقیقی ہے تو قصاص ہوگا ورنہ نہیں ___ دوم یہ کہ کوئی شخص اپنے ہمراہ درندہ یا سانپ وغیرہ اس غرض سے رکھتا ہے کہ کسی پر بوقت ضرورت حملہ کر کے اسے قتل کیا جا سکے اور وہ اسے استعمال کرتا ہے یا ویسے ہی درندہ کے تعاون سے کسی کو قتل کر دیتا ہے تو ایسی صورت میں قصاص ہوگا کیونکہ سانپ یا کوئی اور درندہ وغیرہ ایسی صورت میں محض آلہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ولو ضربہ رجل بسیف وضربہ اسد او نمر او خنزیر او سبع ما کان ضربۃ

فان كانت ضربة السبع تقع موقع الجرح فى ان يشق جرحها فيكون الاغلب ان الجرح قتل دون الثقل فعلى القاتل القود الاان ورثته الدية فيكون لهم نصفها وان كانت ضربة لاتلهد ولاتقتل ثقلا كما يقتل الشدخ او الخشبة او الحجر الثقيل فلا يجرح فلا قود عليه الخ (كتاب الام ج ۶ ص ۳)

علامہ جزیری شافعیہ اور حنابلہ کے تحت فرماتے ہیں کہ:

وكذا يقتل شريك السبع والحية القاتلين غالبا فى قتل من يكافئه (ج ۵ ص ۲۹۲)

اسی طرح مالکیہ کے ضمن میں رقم طراز ہیں کہ:

ومن شارك سبعا فى قتل انسان عمدا كان عقره سبع .... ومن جرح نفسه جرحا ينشأ عنه الموت غالبا .... ومن شارك حربيا .... قالوا يجب القصاص على هؤلاء المكلفين الذين شاركوا غير مكلفين فان عقر السبع غير معتبر فى الدنيا ولا فى الاخرة الخ (الفقه على المذاهب الاربعة ج ۵ ص ۲۹۳)

البتہ احناف کے نزدیک ہے کہ ایسے شخص سے قصاص ساقط ہو جائے گا جیسا کہ ردالمحتار میں درج ہے لیکن یہ بات بھی محض ابطال حدود کے مترادف ہے اور فطرت سلیمہ اس کا انکار کرتی ہے کہ ایسے تو ہر شخص دوسرے کو ایسے غیر مکلفین کے ذرائع و اسباب بروئے کار لاکر قتل کر دے گا اور جرائم بڑھ جائیں گے کیونکہ اس سلسلہ میں اصل الاصول بات یہ ہے کہ کسی غیر مکلف کی شمولیت سے حد ساقط نہیں ہوتی جیسا کہ ہم پہلی اقساط میں واضح کر چکے ہیں۔

تفسیر الخازن مع النسفی

الترتیب والبیان عن تفصیل آمی القرآن تفسیر روح البیان، احکام القرآن للجصاص، شرح شذور الذہب فی معرفۃ کلام العرب، اعلام الموقعین لابن قیم، منہاج السنۃ لابن تیمیہ، الحاوی للفتاوی الخصائص الکبریٰ للسیوطی، مروج الذہب ومعادن الجوہر، التاریخ الفتاوی الحدیثیہ لابن حجر مکی۔ تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوٰۃ۔ علاوہ ازیں بے شمار عربی اردو کتب کا ذخیرہ آپ اپنی کوئی کتاب بیچنا چاہیں تو ہمیں یاد فرماویں۔

عبدالرحمٰن عاجز، مالک رحمانیہ دارالکتب امین پور بازار فیصل آباد۔

تاریخ و سیر — جناب طالب ہاشمی

حضرت اُبَیّ رضؓ بن کعب انصاری ——— سیّد المسلمین

(۱)

ہجرت نبوی سے چند سال بعد کا ذکر ہے کہ ایک دن میانہ قد اور اکہرے بدن کے ایک گورے چٹے پاکیزہ صورت آدمی بارگاہِ رسالت ؐ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بڑے ادب سے حضورؐ کو سلام کیا اور پھر آپ کی خدمت میں بیٹھ کر ارشاداتِ نبوی ؐ سے مستفیض ہونے لگے۔ یکایک سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر آثارِ وحی طاری ہوئے اور زبانِ رسالت پر قرآن حکیم کی ایک سورۃ جاری ہوگئی[1] وہ صاحب وحی الٰہی کا ایک ایک لفظ بغور سنتے اور اس کو لکھتے جاتے تھے۔ جب جبریل امین ؑ پیغام الٰہی پہنچا کر واپس چلے گئے تو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں تم کو قرآن سنایا کروں" (تاکہ تمہیں یاد رہو)

ان صاحب نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لیا ہے؟"

حضورؐ نے فرمایا: "ہاں"

یہ سن کر وہ صاحب فرطِ مسرت سے بے خود ہوگئے اور بے اختیار رونے لگے۔

یہ صاحبِ رسول جن کا خود رب ذوالجلال والاکرام نے نام لے کر اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ ان کو قرآن سنائیں۔ سید المسلمین حضرت اُبَیّ رضؓ بن کعب انصاری تھے۔

(۲)

سیدنا حضرت ابیؓ بن کعب انصاری کا شمار تاریخ اسلام کی ان مہتم بالشان شخصیتوں میں ہوتا ہے جن کو دربارِ رسالت میں نہایت ممتاز درجہ حاصل تھا —— اور جن کی جلالتِ قدر اور تبحّر علمی پر مسلمانوں کے سبھی مکاتبِ فکر کا کامل اتفاق ہے۔ حضرت اُبیؓ کا تعلق انصار کی نہایت معزز شاخ نجّار (خزرج) کے خاندان بنی جدیلہ سے تھا۔ شجرہ نسب یہ ہے:

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ یہ سورۃ البیّنہ تھی۔

ابی بن کعب بن قیس بن عبید بن زیاد بن معاویہ بن عمر بن مالک بن نجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج الاکبر۔ والدہ کا نام صہیلہ تھا جو خاندان عدی بن نجار سے تھیں۔

حضرت ابی رض دو کنیتوں سے مشہور تھے ایک کنیت ابو المنذر تھی جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی تھی۔ دوسری کنیت ابو الطفیل تھی جو ان کے بیٹے طفیل کے نام کی نسبت سے حضرت عمر فاروق رض نے رکھی تھی۔ سید الانصار، سید المسلمین اور سید القراء حضرت ابی رض کے القاب تھے۔

حضرت ابی رض کے لڑکپن اور جوانی کے حالات کتب سیر میں نہیں ملتے۔ البتہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اوائل عمر میں ہی لکھنا پڑھنا سیکھ گئے تھے اور ان کا شمار انصار کے تعلیم یافتہ لوگوں میں ہوتا تھا۔ مولانا سعید انصاری مرحوم نے سیر انصار میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ غالباً حضرت ابی رض اسلام سے پہلے توراۃ پڑھ چکے تھے اور اسی کا اثر تھا کہ اسلام کی آواز نے انہیں بہت جلد اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

حضرت انس رض بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت ابی رض عہد شباب میں دختِ رز کا شوق بھی کرتے تھے اور ان کے سوتیلے باپ ابو طلحہ رض کی محافلِ ناؤ نوش کے سرگرم رکن تھے۔ قبولِ اسلام کے بعد دونوں کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوا۔ حضرت ابو طلحہ رض زید بن سہل انصاری، حضرت ابی رض کے ماموں زاد بھائی تھے اور رزم و بزم میں ان کے ساتھی تھے۔

حضرت ابی رض کے سعادت اندوز اسلام ہونے کے بارے میں مشہور روایت یہ ہے کہ انہوں نے بیعت عقبۂ ثانیہ میں مکہ جا کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ لیکن تاریخ و سیر کی اکثر کتابوں میں اصحاب عقبۂ ثانی کی جو فہرست دی گئی ہے، اس میں حضرت ابی رض بن کعب کا نام نہیں ہے۔ اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ وہ بیعتِ عقبہ سے پہلے ہی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ رہی یہ بات کہ وہ بیعت عقبہ میں شریک ہوئے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ بہر صورت ہجرت نبوی سے پہلے ان کا شرفِ ایمان سے بہرہ ور ہونا سب کے نزدیک مسلّم ہے۔

(۳)

ہجرت کے بعد سید الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں نزولِ اجلال فرمایا تو انصار میں سے حضرت ابی رض بن کعب کو سب سے پہلے وحی لکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس لحاظ سے ان کو انصاری کاتبینِ وحی میں امتیازی درجہ حاصل ہے۔

ہجرت کے چند ماہ بعد حضورؐ نے مہاجرین اور انصار کے مابین مواخاۃ قائم کرائی تو حضرت اُبیؓ کو جلیل القدر صحابی ایکے از عشرہ مبشرہ حضرت سعیدؓ بن زید کا اسلامی بھائی بنایا۔

غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت ابیؓ بدر سے لے کر طائف تک تمام غزوات میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب رہے۔

حضرت جابرؓ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ حضرت اُبیؓ کو غزوہ احد میں ایک تیر ہفت اندام میں لگا۔ جس سے وہ شدید زخمی ہو گئے۔ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ نے ان کے علاج کے لیے ایک طبیب بھیجا جس نے رگ کو کاٹ دیا۔ حضورؐ نے اس رگ کو اپنے ہاتھ سے داغ دیا اور حضرت اُبیؓ کا زخم جلد ہی مندمل ہو گیا۔

حضرت اُبیؓ کو رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی اور کلام الٰہی سے بھی گہرا شغف تھا۔ چنانچہ وہ اپنے وقت کا بیشتر حصہ بارگاہِ نبویؐ میں گذارتے تھے۔ حضورؐ ان کو قرآن سناتے اور حفظ کراتے تھے اور کتابتِ وحی کی خدمت بھی لیتے تھے۔ اس طرح ان کو بارگاہِ رسالت میں خصوصی تقرب حاصل ہو گیا تھا۔ قرآن حکیم سے حضرت اُبیؓ کا غیر معمولی شغف اس قدر مقبول ہوا کہ خود ذاتِ باری تعالیٰ نے حضرت اُبیؓ کا نام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ ان کو قرآن سنایا کریں۔ ارشادِ ربانی کے مطابق حضور اکرمؐ نے حضرت اُبیؓ کی تعلیم پر خاص توجہ فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قرآنِ حکیم کے حافظ اور قرآنی علوم و معارف کے بہت بڑے عالم بن گئے۔ ان کی قرأت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر پسند تھی کہ ایک مرتبہ آپؐ نے فرمایا کہ "لوگوں میں سب سے بڑے قاری ابیؓ بن کعب ہیں۔"

ایک دفعہ حضورؐ نے حضرت ابیؓ سے دریافت فرمایا کہ "قرآن میں کون سی آیت بے انتہا عظمت کی حامل ہے؟" حضرت اُبیؓ نے عرض کیا "آیۃ الکرسی"

ان کا جواب سن کر حضورؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا: "اُبیؓ تمہیں یہ علم مسرور کرے۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اُبیؓ کو اجازت دے رکھی تھی کہ وہ جو چاہیں اور جب چاہیں آپؐ سے پوچھیں۔ چنانچہ وہ بڑی آزادی کے ساتھ فیضانِ نبوی سے خوب خوب فیضیاب ہوتے تھے۔ بعض اوقات سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو بغیر پوچھے بھی قرآنِ حکیم کے اسرار و رموز سے آگاہ فرماتے تھے۔

خود حضرت ابیؓ بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اُبیؓ

کیا میں تجھ کو ایسی سورت نہ بتاؤں جو نہ توراۃ میں ہے نہ زبور میں اور نہ انجیل اور نہ قرآن ہی میں اس جیسی اتاری گئی " میں نے عرض کیا " بے شک ضرور بتایئے " آپ نے فرمایا " بے شک میں امید کرتا ہوں کہ تو اس دروازہ سے نکلنے نہ پائے گا یہاں تک کہ تو اس کو جان جائے گا " اس کے بعد آپؐ کھڑے ہو گئے اور میں بھی آپؐ کے ساتھ کھڑا ہو گیا، آپؐ مجھ سے بات کر رہے تھے اور میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں تھا تو میں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا اس خوف سے کہ آپؐ اس سورۃ کی خبر دینے سے پہلے ہی دروازے سے باہر نہ چلے جائیں۔ جب میں دروازے کے قریب ہوا تو میں نے عرض کیا " یارسول اللہ وہ سورۃ جس کا آپؐ نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے؟" آپؐ نے فرمایا کہ " تم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہو تو کس طرح پڑھتے ہو؟" میں نے سورہ فاتحہ پڑھی۔ آپؐ نے فرمایا وہ سورۃ یہی ہے اور یہ سبع مثانی ہے۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ (سورہ ۱۵ رکوع ۶) اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآنِ عظیم دیا۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت اُبیؓ رض کے حفظِ قرآن اور حافظہ پر پورا اعتماد تھا۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے ایک آیت پڑھنا بھول گئے۔ نماز سے فارغ ہو کر حضورؐ کو خود اس آیت کا خیال آ گیا، صحابہؓ سے پوچھا کہ کسی نے میری قرأت پر خیال کیا تھا، تمام صحابہؓ خاموش رہے لیکن حضرت اُبیؓ بن کعب نے فوراً عرض کیا " یارسول اللہ آپؐ نے فلاں آیت نہیں پڑھی، کیا یہ منسوخ ہو گئی ہے یا سہواً ترک ہو گئی؟"

حضورؐ نے فرمایا " نہیں میں پڑھنا بھول گیا۔ میں جانتا تھا کہ تمہارے سوا اور کسی کا دھیان اس طرف نہ گیا ہو گا۔"

ایک مرتبہ حضرت اُبیؓ رض کو ایک آیت کی قرأت کے بارے میں حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ سے اختلاف پیدا ہوا۔ دونوں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی اپنی قرأت کے مطابق یہ آیت پڑھ کر آپؐ کو سنائی۔ حضورؐ نے فرمایا " تم دونوں ٹھیک پڑھتے ہو" حضرت اُبیؓ کے دل میں وسوسہ پیدا ہوا اور انہوں نے حیران ہو کر عرض کیا " یارسولؐ اللہ میں بھی ٹھیک پڑھتا ہوں اور عبداللہ بھی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

کہنے کو تو یہ الفاظ کہہ دیئے لیکن رعبِ نبوت نے جسم پر کپکپی طاری کر دی اور پسینے میں نہا

گئے۔ حضورؐ نے ان کی حالت دیکھی تو ان کے سینے پر اپنا دستِ مبارک رکھ کر فرمایا "الٰہی اُبَیؓ کا شک دور کر،" آناً فاناً ان کا دل وسوسہ سے پاک ہو گیا اور اس معاملہ میں ان کو پورا اطمینان ہو گیا۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سحابِ لطف و کرم حضرت اُبَیؓ پر ایسا جھوم جھوم کر برسا کہ وہ عہدِ رسالت میں ہی مسندِ درس و افتا پر فائز ہو گئے۔ لوگ ان سے قرآن پڑھتے اور مختلف مسائل دریافت کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ایرانی صاحبؓ رسولؐ نے ان سے قرآن پڑھنا شروع کیا، جب اس آیت پر پہنچے "اِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ طَعَامُ الْاَثِيْمِ" تو ایرانی صحابیؓ کی زبان سے اثیم کی بجائے یتیم نکلتا تھا۔ بہت کوشش کی لیکن ان سے صحیح تلفظ ادا نہ ہو سکا۔ بالآخر ان کو ساتھ لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی مشکل بیان کی۔ حضورؐ نے ایرانی سے فرمایا "کہو طعام الظالم" انہوں نے یہ الفاظ بالکل صحیح ادا کیے۔ سرورِ عالمؐ نے حضرت ابیؓ سے فرمایا "اس کی زبان درست کرنے کی کوشش کرتے رہو، اللہ تمہیں اس کا اجر دے گا۔"

مشہور صحابی حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی نے حضرت اُبَیؓ بن کعب سے قرآن پڑھا تو انہوں نے ایک کمان ہدیۃً پیش کی حضرت اُبیؓ اس کو لگا کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے پوچھا "اُبَیؓ یہ کمان کس نے دی ہے؟" عرض کیا "طفیل بن عمرو دوسی نے، میں نے اسے قرآن پڑھایا ہے۔" حضورؐ نے فرمایا "اس کو واپس کر دو ورنہ یہ جہنم کے ایک ٹکڑے کا قلاوہ بن جائے گی۔" انہوں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! ہم اپنے شاگردوں کے ہاں کھانا بھی تو کھا لیتے ہیں۔" حضورؐ نے فرمایا: "وہ کھانا بطورِ خاص تمہارے لیے تیار نہیں کیا جاتا اگر تم کھانے کے موقع پر پہنچ گئے اور اس میں شریک ہو گئے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن جو چیز خاص تمہارے لیے تیار کی جائے، اگر تم اس کو استعمال کر لو تو اپنی آخرت کے اجر کو ضائع کر دو گے۔"

ایک اور روایت میں خود حضرت اُبَیؓ بن کعب کہتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو قرآن کی ایک سورۃ سکھائی اس نے میرے پاس ایک کپڑا ہدیۃً بھیجا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا اگر تو نے اسے لے لیا تو تجھے آگ کا کپڑا پہنایا جائے گا۔

حضرت اُبَیؓ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادات کا ایک ایک لفظ بغور سنتے تھے اور اس کو حرزِ جان بنا لیتے تھے۔ ایک دفعہ بارگاہِ رسالت میں حاضر تھے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے سوال کیا "یا رسول اللہ ہم لوگ جو بیمار ہوتے ہیں یا دوسری تکلیفیں اٹھاتے ہیں اس میں بھی کچھ ثواب ہے؟" حضورؐ نے فرمایا "ہاں یہ بیماریاں اور تکلیفیں مسلمان کے گناہوں کا کفارہ

بن جاتی ہیں۔"

حضرت اُبیؓ نے پوچھا "یارسول اللہ کیا معمولی تکلیفیں بھی گناہ کا کفارہ ہو جاتی ہیں؟"

فرمایا: "چھوٹی چھوٹی تکلیفیں کیا مسلمان کو ایک کانٹا بھی چبھ جائے تو وہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جاتا ہے۔"

یہ سنتے ہی جوشِ ایمان کی یہ کیفیت ہوئی کہ بے ساختہ زبان پر یہ دعا جاری ہو گئی: "الٰہی میں ہمیشہ بخار میں مبتلا رہوں مگر نماز باجماعت، حج، عمرہ اور جہاد کے قابل رہوں۔"

یہ دعا فوراً درِ اجابت پر پہنچ گئی۔ اہلِ سیر کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت اُبیؓ کو ہر وقت خفیف سی حرارت رہتی تھی۔ شاید اس کی وجہ سے ان کے مزاج میں بھی قدرے حدت پیدا ہو گئی تھی۔

سنہ ۹ھ میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُبیؓ کو قبائل بلی، عذرہ اور بنو سعد میں عاملِ صدقات بنا کر بھیجا۔ انہوں نے اپنے فرائض نہایت دیانت اور جفاکشی کے ساتھ انجام دیئے ایک دفعہ کسی گاؤں میں گئے تو ایک شخص نے اپنے تمام جانور ان کے سامنے لا کر کھڑے کر دیئے کہ ان میں سے آپ جو چاہیں چن لیں۔ انہوں نے اونٹ کا ایک دوسالہ بچہ لے لیا۔ جانوروں کے مالک نے کہا "یہ بچہ آپ کے کس کام کا، یہ جوان اور فربہ اونٹنی لے جائیں۔"

حضرت اُبیؓ نے کہا "نہیں نہیں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے بہتر یہ ہے کہ تم میرے ساتھ مدینہ منورہ حضورؐ کی خدمت میں چلو۔ آپؐ جو حکم دیں گے اس کی تعمیل کرنا۔"

جانوروں کے مالک بڑے مخلص مسلمان تھے وہ حضرت ابیؓ کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور وہی اونٹنی حضورؐ کی خدمت میں پیش کی۔

آپؐ نے فرمایا "اگر تم یہی اونٹنی بخوشی دینا چاہتے ہو تو دے دو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا اجر دے گا۔" انہوں نے برضا و رغبت یہ اونٹنی صدقہ میں دے دی۔ اور خوش خوش اپنے گاؤں کو مراجعت کی۔

ایک دفعہ حضرت اُبیؓ نے کہیں سے ایک تھیلی پڑی پائی۔ کھول کر دیکھا تو اس میں سو دینار تھے دوڑے دوڑے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ سال بھر تک اس کا اعلان کرتے رہو۔ وہ سال بھر ان دیناروں کا اعلان کرتے رہے لیکن کسی نے ان کی ملکیت کا دعویٰ نہ کیا۔ حضرت اُبیؓ پھر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا "یارسول اللہ میں سال بھر تک لوگوں کو خبر کرتا رہا لیکن کوئی یہ رقم لینے نہیں آیا۔" حضور نے فرمایا: "ایک سال اور انتظار

کرو اگر کوئی شخص رقم کی مقدار اور تھیلی کا نشان بتا کر ان دیناروں کا دعویٰ کرے تو اس کے حوالے کر دینا، ورنہ یہ مال تمہارا ہو چکا۔"

حضرت اُبیؓ کو قرأتِ قرآن میں ایسا کمال حاصل ہو گیا تھا کہ خود حاملِ وحی و نبوت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان سے قرآن کا دورہ فرمایا کرتے تھے۔ اپنے سال رحلت (۱۱ہجری) میں بھی حضرت اُبی رضؓ کو آخری بار قرآن سنایا اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا "مجھے جبریلِ امین ؑ نے آکر کہا ہے کہ اُبی رضؓ کو قرآن سنا دیجیے۔"

(۴)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد خلافت کا مسئلہ پیدا ہوا تو حضرت اُبیؓ ان چند صحابہ میں سے تھے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے تاہم جب جمہور مسلمانوں کی رائے کے مطابق حضرت ابو بکر رضؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو حضرت اُبی رضؓ نے خوشدلی سے ان کی بیعت کر لی۔ صدیق اکبر رضؓ حضرت اُبیؓ کا بے حد احترام کرتے تھے۔ جب انہوں نے قرآنِ حکیم کی ترتیب و تدوین کا کام اہل علم صحابہ کرام کی ایک جماعت کے سپرد کیا تو حضرت اُبی رضؓ کو اس جماعت کا امیر مقرر کیا۔ وہ قرآن کے الفاظ بولتے جاتے تھے اور لوگ ان کو لکھتے جاتے تھے اگر کسی آیت کی تقدیم و تاخیر کے بارے میں اختلاف ہو جاتا تو سب اس کو مل کر طے کرتے تھے۔ صدیق اکبر رضؓ کے بعد حضرت عمر فاروق رضؓ منصبِ خلافت پر فائز ہوئے تو انہوں نے حضرت اُبیؓ کو مجلس شوریٰ کا رکن نامزد کیا۔ وہ حضرت اُبی رضؓ کی جلالتِ علمی اور اصابتِ رائے کے بے حد معتقد تھے اور ان کا غیر معمولی اعزاز و اکرام کرتے تھے اور اہم ملکی اور دینی معاملات میں ان کی رائے کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضؓ ان (حضرت اُبیؓ) کو سید المسلمین کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ "ہم سب سے بڑے قاری اُبی رضؓ ہیں۔" اسی طرح حافظ ابن عبد البرؒ الاستیعاب میں لکھتے ہیں کہ حضرت عمر رضؓ سے متعدد طرق سے یہ روایت ہم کو پہنچی ہے کہ آپ رضؓ نے کہا، ہم میں علم قضا کے سب سے بڑے ماہر علی بن ابی طالب اور حفظِ قرآن میں سب سے بڑے اُبی رضؓ ہیں۔

سید محمد علی بیلاوی نے اپنی کتاب "التعریف بالنبی: القرآن الشریف" میں مستند حوالوں کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت عمر رضؓ مشکل مسائل میں حضرت اُبی رضؓ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور پیچیدہ مقدمات میں ان سے فیصلہ کراتے تھے اور آپ رضؓ انہیں سید المسلمین اور سید القراء کے

القاب سے یاد کرتے تھے۔"

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں نماز تراویح کو باجماعت کیا تو حضرت ابیؓ بن کعب کو مردوں کا اور حضرت سلیمانؓ بن ابی حثمہ کو عورتوں کا امام مقرر فرمایا۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ اگرچہ حضرت ابیؓ پر بے حد مہربان تھے اور ان کی تعظیم و تکریم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے لیکن حضرت ابیؓ دینی معاملات میں مطلق ان کی رُو رعایت نہ کرتے اور جس بات کو حق سمجھتے برملا اس کا اظہار کر دیتے تھے کنز العمال میں ہے کہ "حضرت عمرؓ کا ایک شخص پر گزر ہوا جو یہ آیت پڑھ رہا تھا" وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ " آپؓ ٹھہر گئے اور کہا ذرا ادھر تو آؤ، وہ آپؓ کے پاس آیا تو آپؓ نے پوچھا، تمہیں یہ آیت کس نے یاد کرائی ہے۔ اس نے کہا یہ مجھے ابیؓ بن کعب نے یاد کرائی ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ چلو ابیؓ بن کعب کے پاس۔ وہ آپ کو ساتھ لے کر ابیؓ کے پاس آیا۔ آپؓ نے فرمایا کہ" اے ابا المنذر یہ شخص کہتا ہے کہ تم نے اسے یہ آیت تعلیم کی ہے۔" ابیؓ نے کہا سچ کہتا ہے میں نے یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک سے سنی ہے۔ حضرت عمرؓ نے (تعجب سے) کہا "تم نے اس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہن مبارک سے سنا ہے۔" ابیؓ نے کہا "ہاں"۔ تیسری بار پوچھنے پر بڑے غصہ سے کہا کہ "ہاں خدا کی قسم! اس کو اللہ نے جبریلؑ پر اور جبریلؑ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب پر نازل کیا۔ بیشک خطاب اور اس کے بیٹے سے مشورہ نہیں لیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ وہاں سے باہر نکلے اس طرح کہ دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے تھے اور کہہ رہے تھے اللہ اکبر اللہ اکبر"

اسی سلسلے میں کنز العمال میں اور روایتیں بھی ملتی ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں۔

ایک دفعہ حضرت ابو درداءؓ اہل شام کی ایک بڑی جماعت کو اپنے ساتھ مدینہ منورہ لائے ان لوگوں نے حضرت ابیؓ سے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ ایک دن ان میں سے ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے سامنے کوئی آیت پڑھی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی قراءت پر اعتراض کیا۔ اس نے کہا میں نے ابیؓ بن کعب سے یہ آیت اس طرح سنی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک آدمی کو بھیجا کہ ابیؓ کو بلا لاؤ۔ اس وقت ابیؓ اپنے اونٹ کو چارہ دے رہے تھے۔ امیر المومنین کا پیغام ملا تو قاصد سے پوچھا کہ کیا کام ہے؟ انہوں نے واقعہ بیان کیا تو حضرت ابیؓ کو غصہ آ گیا اور اس حالت میں دربارِ خلافت میں حاضر ہوئے کہ ہاتھ میں چارہ تھا اور دامن چڑھا رکھا تھا، حضرت عمرؓ نے وہ آیت ان سے پڑھوائی اس کے بعد حضرت زیدؓ بن ثابت کو حکم دیا کہ وہی آیت پڑھیں، انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ تو ان کی

قرأت حضرت ابیؓ کی قرأت سے کسی قدر مختلف تھی۔ حضرت عمرؓ نے حضرت زیدؓ کی تائید کی اس پر حضرت ابیؓ نے خشمناک ہو کر کہا "عمرؓ خدا کی قسم! آپؓ جانتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اندر ہوتا تھا اور آپ لوگ باہر کھڑے رہتے تھے۔ اب آج میری یہ قدر افزائی کی جا رہی ہے۔ خدا کی قسم اگر آپ کہیں تو میں خانہ نشین ہو جاؤں نہ کسی سے کلام کروں اور نہ لوگوں کو قرآن پڑھاؤں یہاں تک کہ مجھ پر موت وارد ہو جائے۔"

حضرت عمرؓ نے فرمایا "ہرگز نہیں جب اللہ نے آپؓ کو علم دیا ہے۔ تو آپؓ شوق سے لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیں۔"

ایک اور موقع پر حضرت عمرؓ نے حضرت ابیؓ بن کعب پر کسی آیت کی قرأت کے متعلق اعتراض کیا تو انہوں نے برہم ہو کر کہا "میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے اور آپ کو بقیع کے بازار میں خرید و فروخت سے فرصت نہ تھی۔" حضرت عمرؓ نے (جن کو ابیؓ کا بڑا لحاظ تھا اور وہ ان سے الجھنا نہیں چاہتے تھے) فرمایا "تم ٹھیک کہتے ہو۔"

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں مدینہ کی ایک گلی میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھتا ہوا جا رہا تھا، اتنے میں پیچھے سے آواز آئی "سند بتاؤ! اے ابن عباسؓ سند بتاؤ۔" میں نے مڑ کر دیکھا تو حضرت عمرؓ تھے، میں نے کہا، میں آپؓ کو ابیؓ بن کعب کا حوالہ دیتا ہوں، یہ سن کر انہوں نے اپنے ایک غلام سے کہا کہ "ابیؓ کے پاس جا اور ان سے دریافت کر کہ کیا تم نے ان کو یہ آیت یاد کرائی ہے۔ ہم ابیؓ کے پاس گئے" ابھی ہم ان کے دروازے پر پہنچے کہ خود حضرت عمرؓ آگئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ ابیؓ نے اجازت دے دی۔ ہم لوگ ابیؓ کے پاس ایسی حالت میں پہنچے کہ ان کی کنیز ان کے سر میں کنگھی کر رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کے لیے چمڑے کا ایک ٹکڑا ڈال دیا گیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے۔ ابیؓ بن کعب دیوار کی طرف منہ کیے بیٹھے تھے وہ اسی طرح بیٹھے رہے اور ان کی پشت حضرت عمرؓ کی طرف تھی۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے ہماری طرف رخ کیا اور کہا "دیکھو تو اس (ابیؓ) کو ہماری پرواہ ہی نہیں۔ تھوڑی دیر بعد ابیؓ بن کعب نے حضرت عمرؓ کی طرف رُخ کیا اور کہا "خوش آمدید امیر المومنین اس وقت کیسے تشریف آوری ہوئی؟ صرف ملاقات کے لیے یا کسی اور غرض سے؟" حضرت عمرؓ نے کہا "میں کسی غرض ہی سے آیا ہوں۔ آخر تم لوگوں کو اللہ کی رحمت سے کیوں مایوس کرتے ہو؟"

ابیؓ نے کہا۔ اچھا شاید کوئی آیت آپؓ نے سنی ہے جو سخت ہے۔ آپ کو علم ہونا چاہیئے کہ

میں نے قرآن اس ہستی سے سیکھا جس نے تازہ تازہ اس کو جبریل امین سے حاصل کیا تھا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے "خدا کی قسم تم احسان جتانا چاہتے ہو لیکن میری تشفی نہیں ہوئی — تم کسی طرح (اپنی بات کہنے سے) باز نہ آؤ گے اور مجھے کسی طرح تاب نہ آئے گی۔"

کبھی کبھی اختلاف رائے ہو جانے کے باوجود حضرت عمرؓ، حضرت اُبیؓ کے دل سے قدردان اور مداح تھے۔ شام کے مشہور سفر میں انہوں نے جابیہ کے مقام پر جو خطبہ دیا اس میں فرمایا:

"من اراد القرآن فلیات ابیاً"

"جس کو قرآن کا شوق ہو وہ ابیؓ کے پاس آئے۔"

حضرت عثمان ذوالنورینؓ بھی حضرت اُبیؓ کے تبحرِ علمی کے معترف تھے۔ انہوں نے اپنے دورِ خلافت میں محسوس کیا کہ بعض صحابہ کی قرأت میں اختلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ تمام مسلمانوں کو ایک قرأت پر جمع کر دوں گا۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے انصار اور مہاجرین میں سے بارہ ایسے صحابہ منتخب کیے جن کو قرآن پر پورا عبور تھا اور پھر انہیں یہ کام سونپا کہ باہمی مشورہ سے قرأت کا اختلاف دور کریں۔ اس مجلس کے امیر حضرت ابیؓ مقرر ہوئے۔ وہ بولتے جاتے تھے اور حضرت زیدؓ بن ثابت لکھتے جاتے تھے۔ جہاں اختلاف پیدا ہوتا سب آپس میں مشورہ کر کے اس کو دور کر لیتے۔ کنز العمال میں ہے کہ اس کے بعد قرآن حکیم کے تمام نسخے حضرت اُبیؓ کی قرأت کے مطابق ہو گئے۔ لیکن بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت اُبیؓ، حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں (۱۹ یا ۲۰ یا ۲۲ سنہ میں) وفات پا چکے تھے۔ سب سے مشہور روایت یہ ہے کہ انہوں نے بزمانہ حضرت عثمان ۳۲ سنہ میں وفات پائی۔ اختلافِ قرأت دور کرنے والی روایت اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے جب حضرت ابیؓ کی وفات ۳۲ سنہ میں تسلیم کی جائے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت اُبیؓ نے اپنے پیچھے جو اولاد چھوڑی اس میں سے۔ طفیل، محمد، ربیع، عبداللہ اور ام عمر کے نام معلوم ہیں ان کی اہلیہ ام طفیل بھی صحابیہ تھیں۔

(۵)

حضرت اُبیؓ علم و فضل کا مجمع البحرین تھے۔ وہ نہ صرف قرآن اور جملہ علومِ قرآنی میں درجۂ تبحر رکھتے تھے بلکہ حدیث اور فقہ کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔ امام ذہبی کا بیان ہے کہ

حضرت اُبیّ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کا بہت بڑا حصہ سنا تھا"۔ تاہم حضرت اُبیّ رضؓ روایتِ حدیث میں بے حد محتاط تھے۔ چنانچہ ان سے صرف ۶۴ احادیث مروی ہیں۔

حضرت اُبیّ رضؓ کی جلالتِ علمی کی یہ کیفیت تھی کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ رضؓ ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوتے تھے۔ ان میں سے حضرت عمر فاروق رضؓ، حضرت ابوہریرہ رضؓ، حضرت عبادہ رضؓ بن صامت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضؓ، حضرت ابوایوب انصاری رضؓ، خیر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضؓ اور حضرت انس رضؓ بن مالک جیسے اساطینِ امت بھی شامل ہیں۔ ان بزرگوں کو حضرت اُبیّ رضؓ کے گھر جا کر مسائل دریافت کرنے سے بھی اجتناب نہ تھا۔

بعض روایتوں میں ہے کہ انہیں انصار میں سب سے بڑا عالم تسلیم کیا جاتا تھا۔ ان کو اسلامی علوم کے علاوہ تورات اور انجیل پر بھی عبور حاصل تھا۔ ان کتابوں میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو بشارتیں مذکور ہیں وہ انہیں بڑے لطف و انبساط کے ساتھ لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابیّ رضؓ بن کعب کی ذات ایک ایسا چشمۂ فیض کی حیثیت رکھتی تھی جس سے ہر مسلمان بقدر ظرف فیضیاب ہوتا تھا۔ وہ لوگوں کو شرعی مسائل بھی بتاتے تھے اور قرآن حکیم کے حقائق و معارف کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ ان کے نزدیک قرآنِ کریم پر عمل کر کے ہی مسلمان اپنی دنیا اور آخرت سنوار سکتے تھے۔ ایک دفعہ کسی شخص نے عرض کی کہ مجھے کوئی وصیت کیجیے۔ فرمایا:

> "قرآن کریم کو اپنا امام بنا لو، اس کے فیصلوں اور احکام پر راضی ہو جاؤ، بے شک یہ قرآن وہی ہے جو تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑا ہے اور یہ ایسا شاہد ہے جس پر کوئی حرف گیری نہیں کر سکتا۔ اس میں تمہارا تذکرہ بھی ہے اور تم سے پہلی امتوں کا بھی۔ یہی تمہارے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ اس میں تمہارا بھی اور تمہارے بعد آنے والوں کا بھی حال درج ہے۔"

ابو نعیم رحؒ نے "حلیہ" میں لکھا ہے کہ حضرت ابیّ رضؓ بن کعب فرمایا کرتے تھے کہ مومن میں چار صفتیں ضرور ہوتی ہیں:

۱۔ اگر مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے۔
۲۔ اگر اسے کوئی نعمت عطا ہو تو اللہ کا شکر کرتا ہے۔

۳- اگر کوئی فیصلہ دیتا ہے تو پورا انصاف کرتا ہے۔

۴- اگر وہ بولتا ہے تو ہمیشہ سچ بولتا ہے۔

اور جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے ڈر سے کوئی چیز ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے اس سے بہتر چیز ایسی جگہ سے دیتا ہے جہاں سے اسے ملنے کا گمان تک نہیں ہوتا اور جب کوئی بندہ اللہ کی دی ہوئی نعمت کی قدر نہیں کرتا اور اسے اس طرح استعمال کرتا ہے جو شرعاً اس کے لیے جائز نہیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کے بدلے میں ایسے طریقے سے سزا دیتا ہے جو اس کے گمان میں بھی نہیں ہوتا۔

بعض شرعی مسائل میں حضرت اُبیؓ اپنا خاص مسلک رکھتے تھے۔ مثلاً وہ ظہر اور عصر کی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کرتے تھے اور دوسری نمازوں میں خاموش رہتے تھے۔ زنا کی سزا تین قسم کی بتاتے تھے متاہل بڈھے کو تازیانہ و رجم دونوں، متاہل جوان کو محض رجم اور غیر متاہل جوان کو فقط تازیانہ۔

مزاج میں کسی قدر تکلف تھا۔ حلقۂ درس میں گدے پر بیٹھ کر تعلیم دیا کرتے تھے اور تلامذہ کو اپنی تعظیم کے لیے سر و قد کھڑے ہونے سے منع نہیں فرماتے تھے۔ بڑھاپے میں جب سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہو گئے تھے پراگندہ مُو ہونا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک لونڈی کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ آپ کے بالوں کو بنا سنوار دیا کرے۔ دیوار میں ایک آئینہ لگا ہوا تھا جب کنگھی کرتے تھے تو اس کی طرف منہ کر لیتے تھے۔

حضرت اُبیؓ کی شخصیت علم اور عمل دونوں کی جامع تھی۔ بدعات سے اجتناب کرتے تھے اور اپنے ہر کام میں سنتِ نبوی کو ملحوظ رکھتے تھے۔ عبادات میں خاص لطف حاصل ہوتا تھا نہایت خشوع و خضوع سے نماز پڑھتے تھے۔ اکثر شب بیدار رہتے تھے۔ تلاوت اور نماز میں آنکھوں سے آنسو جاری رہتے تھے، عموماً تیسری رات کو قرآن مجید ختم کر لیا کرتے تھے۔ رات کے ایک حصے میں درود و سلام میں مصروف رہتے تھے۔

تقدّم فی الاسلام، حُبِّ رسولؐ، شوقِ جہاد، شغفِ قرآن و حدیث اور جذبۂ اصلاح و تبلیغ حضرت اُبیؓ بن کعب کی کتابِ سیرت کے نمایاں ابواب ہیں ان میں سے کسی باب پر بھی نظر ڈالیں، ان کی شخصیت منارۂ نور نظر آتی ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تعارف و تبصرہ کتب

فضائل قرآن — مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

مرتب — جناب حفیظ الرحمٰن احسن

صفحات — ۵۵۱

قیمت — ۸/۲۵

پتہ — البدر پبلی کیشنز، اردو بازار۔ لاہور

کسی زمانہ میں بانی جماعت اسلامی حضرت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ہفتہ وار "درسِ حدیث" دیا کرتے تھے، ان دروس کا انداز تدریسی کے بجائے دعوتی ہوتا تھا، اس لیے وہ خاصے مقبول ہوئے۔ حدیث سے مولانا موصوف کے اس شغف اور دلچسپی سے جہاں تفہیم الحدیث کے لیے نئی نئی راہیں کھلی ہیں وہاں اس واویلا اور غوغا کی بھی قلعی کھل گئی ہے جو حدیث کے سلسلے میں مولانا کے خلاف بلند کیا گیا تھا۔ ہاں بعض اعتبارات سے مولانا سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن ان کی حیثیت علمی سے زیادہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس معاملہ میں وہ کافی حد تک احناف سے قریب ہیں۔ راقم الحروف نے ایک دفعہ مولانا سے کہا تھا کہ آپ تفہیم القرآن کی طرح تفہیم الحدیث کا سلسلہ بھی شروع کر دیں، انھوں نے جواب دیا تھا کہ صحت اور حالات اس کے اب متحمل نہیں رہے۔ تفہیم القرآن کے سلسلے میں جتنے وسائل سے کام لیا ہے، تفہیم الحدیث کے لیے ان سے دس گنا فرصت، صحت اور وسائل درکار ہیں، اسانید اور متون کے سلسلے کی ذمہ داریاں دیکھ کر حوصلہ نہیں پڑتا — بہرحال مولانا سے قریب رہ کر جو میں نے محسوس کیا ہے، وہ یہ ہے کہ: احادیث کی اہمیت، ضرورت اور شرعی حیثیت کے بارے میں، جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا جو نظریہ ہے، بنیادی طور پر مولانا کا فکر ان سے مختلف نہیں ہے، بعض جزوی روایات "یا فقہی درایت" کے بعض پہلوؤں کے سوا ہمیں اور کہیں بھی ان کے فکر اور نظریہ میں جھول نظر نہیں آتا۔ میں نے یہ بھی محسوس کیا ہے کہ فقہی درایت کے بارے میں، شروع میں مولانا

کے افکار میں جو تصلب تھا، اب اس میں بھی لچک پیدا ہو گئی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب "فضائل القرآن" مولانا کے انھیں دروس کا ایک مجموعہ ہے جسے جناب حفیظ الرحمان صاحب نے مرتب کیا ہے، گو بقول مرتب، اس کو مولانا کی تحریر کی حیثیت حاصل نہیں ہے تاہم ان کا تقریری مواد ٹیپ ریکارڈ کو ہی سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔

مولانا کے درس کا انداز یہ رہا ہے کہ وہ مشکوٰۃ سامنے رکھتے حدیث کی عبارت پڑھ کر سناتے، ضرورت ہوتی تو اس کے مطابق اس صحابی کا مختصر تعارف بھی کرا دیتے جس سے وہ حدیث روایت کی گئی ہے، اس کے بعد اس کا ترجمہ، پھر اس کی عام فہم تشریح اور توضیح فرماتے تھے۔ آخر میں سامعین کو موقع دیتے کہ احادیث سے متعلقہ مباحث کے بارے میں سوالات کریں یا اور جو کچھ کوئی پوچھنا چاہے تو پوچھ لے۔ لیکن موجودہ مجموعے ان سوالات اور جوابات سے خالی ہیں اور یہ کمی راقم الحروف کو بالخصوص کھٹکتی ہے۔ درسِ حدیث کے لیے مولانا مشکوٰۃ کا درس دیتے تھے، یہ کتاب بھی اسی کے ایک باب کا ترجمہ ہے۔

مولانا کی "تفہیم الحدیث" کا یہ اسلوب خاصا معلوماتی، عام فہم اور دلکش ہے۔ جن حضرات نے مولانا کے یہ درس سنے یا اس سلسلے کے مرتب مجموعے ملاحظہ فرمائے ہیں، وہ ان دروس کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔ حدیث کے سلسلے میں مولانا کی تشریح، اسلوبِ بیان اور توضیح عصری زبان، تقاضوں اور احوال وظروف کے عین مطابق ہے۔ اگر مولانا "احادیث" پر علمی اور تحقیقی کام کی گرانباری کے خوف سے اسے ہاتھ نہیں لگاتے تو حدیث کی کسی کتاب کے سلسلے میں "دعوتی انداز" پر کام کر جاتے تو کیا ہی اچھا ہوتا یا سیرت پر جو سلسلہ شروع کیا ہے، احادیث کو اسی حیثیت سے مدون فرما دیتے تو اس کی ضرورت تھی۔

زیر تبصرہ مجموعہ (۶۶) احادیث پر مشتمل ہے اور ہر حدیث ایک ذیلی عنوان سے شروع کی گئی ہے۔ گویا کہ (۶۶) عنوانوں سے متعلق مباحث اس مجموعہ میں آ گئے ہیں، جو حضرات قرآنِ حکیم کی جامعیت اور برکات کا صحیح اور علیٰ وجہ البصیرۃ شعور حاصل کرنا چاہتے ہیں انھیں اس مجموعہ کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے ——! بالخصوص ان علما اور اہلِ قلم دوستوں کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے جو بدلے ہوئے حالات کے مطابق تشریح وتعبیر کی ضرورت کا احساس کرتے ہیں تاکہ عصری تقاضوں کے مطابق "بیان وزبان" کے نئے اسلوب اختیار کرنے میں اس سے مدد لی جا سکے۔

(۲)

نام کتاب اسلام اور معاشی تحفظ (ترجمہ)

ترجمہ جناب پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم

(اصل) مشکلات الفقر وکیف عالجہا الاسلام علامہ یوسف قرضاوی

صفحات ۱۷۰

قیمت -/۹ روپے

پتہ البدر پبلی کیشنز۔ ۲۴ بی، اردو بازار لاہور

علامہ یوسف قرضاوی دور حاضر کے ان افاضل کی صف اول کی ایک عظیم شخصیت ہیں جنہوں نے اسلامی معاشیات کا نہایت دقت نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ علامہ موصوف اس سلسلے میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں جو قابل رشک بھی ہے اور باعث فخر بھی۔ موصوف کی نگارشات میں دو باتیں بالخصوص نمایاں نظر آتی ہیں، ایک یہ کہ وہ غیروں کے علوم و فنون سے مرعوب نہیں ہیں، اس لئے ان کی تحریر میں نقالی کے جراثیم بالکل نہیں پائے جاتے۔

دوسری خوبی ان کی یہ ہے کہ کتاب و سنت کی تعلیمات کے سلسلے میں علامہ موصوف کو پورا شرح صدر حاصل ہے۔ اس لئے وہ اپنی نگارشات میں اسلام پر نازاں تو نظر آتے ہیں لیکن اس سلسلے میں معذرت کی بات ان میں دکھائی نہیں دیتی۔

مشکلات الفقر وکیف عالجہا الاسلام مؤلفہ علامہ موصوف انہی خصائق کا ایک مرقع ہے، گو دیکھنے میں اس میں "زکوٰۃ" کا ہی ذکر ملتا ہے تاہم اس میں جو انداز اختیار کیا گیا ہے۔ اس نے اسلامی معاشیات کے بہت سے ابواب کے سمجھنے کے لئے راہ آسان کر دی ہے

اسلام اور معاشی تحفظ اسی کا ترجمہ ہے جو درویش منش اور خاموش فاضل پروفیسر عبدالحمید صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا۔ ترجمہ کیا ہے اس پر اصل کا گماں ہوتا ہے۔

کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں "درر منثورہ" کا ایک بحر بے کنار ہے جو پھیلا ہوا ہے۔

باب اول غربت اور افلاس کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر۔

باب دوم سرمایہ داری اشتراکیت اور اسلام۔

باب سوم افلاس کو دور کرنے کے لئے اسلامی تدابیر

باب چہارم اسلامی نظام معیشت میں زکوٰۃ کی اہمیت۔

باب پنجم زکوٰۃ کے علاوہ رفع احتیاج کی دیگر اسلامی تدابیر۔
باب ششم اسلام میں صدقہ و احسان کی اہمیت۔
باب ہفتم اسلامی نظام معیشت کی کامیابی کے لیے چند ناگزیر شرائط۔

یہ ایک مختصر سی کتاب ہے۔ اگر مختلف اسلامی مدارس میں اساتذہ طلبہ کے لیے اس کے مطالعہ کا موثر انتظام کر دیں تو اسلامی معاشیات کی نوعیت سمجھنے کے لئے طلبہ کو ایک ذہن مل سکتا ہے بلکہ ہماری خواہش ہے کہ تفسیر حدیث اور فقہ کے مختلف ابواب پڑھاتے ہوتے اس سلسلے کے جدید افکار اور ان کے بارے میں مختلف اقوام و ملل کا جو تعامل ہے ساتھ ساتھ ان سے بھی روشناس کرانے کی کوشش کی جایا کرے تو انشاء اللہ تعالےٰ عصر رواں کے عصری تقاضوں اور مسائل کے سلسلے میں وہ دنیا کو اسلامی رہنمائی مہیا کرنے کے قابل ہو جائیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ عربی طلبہ بڑے زرخیز ذہن اور استنباط و اجتہاد کے حامل ملکہ کے مالک ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر ان کو جدید لائنوں سے آشنا کرا دیا جائے تو وہ "دور حاضر" میں ایک اجنبی عنصر کی حیثیت سے ایک بے جوڑ اور بے کار عنصر نہیں رہیں گے اسلاف کا یہی طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ اپنے دور کے عصری مسائل سے کبھی بے تعلق نہیں رہے تھے اس لئے ان کے افکار میں نہ مرعوبیت نظر آئی اور نہ بے خبری بلکہ استاذانہ شان سے ان کا تجزیہ کر کے خلقِ خدا کو اس سلسلے میں اسلامی رہنمائی بھی مہیا کرتے رہے۔ یہ بات آج بھی ہو سکتی ہے۔ بہر حال مندرجہ بالا کتاب قابل مطالعہ ہے ہر پڑھے لکھے آدمی کو چاہیئے کہ وہ اس کا ضرور مطالعہ کرے: تاکہ معاشیات کے نام پر سوشلزم کی ذریت کی شاطرانہ چالوں اور وساوس کے فتنہ سے وہ بچ سکیں۔

(۳)

نام کتاب	رجب المرجب کے کونڈوں کی کتاب
مؤلف	مولانا محمود الحسن بدایونی
صفحات	۳۴
قیمت	ایک روپیہ
پتہ	اسلامی اکادمی ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور

رجب میں کونڈے بھرنے کی رسم عام ہے معروف اور مشہور بھی ہے۔ یہ کیوں اور کیسے پیدا ہوئی ہے۔ مندرجہ بالا کتاب میں اسی کی تفصیل ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

جھوٹی کہانی:- حضرت امام جعفر صادق کے عہد میں مدینہ منورہ میں ایک لکڑہارا رہتا تھا۔ اکثر فاقوں

میں اس کی گزرتی، تنگ آکر گھر بار چھوڑ کر نکل گیا، بعد میں بیوی ایک وزیر کے گھر میں خادمہ بن کر پیٹ پالنے لگی، ایک دن وہ ڈیوڑھی میں جھاڑو دے رہی تھی کہ حضرت امام جعفر صادق آکر رک گئے اور عقیدت مندوں سے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ماہ رجب کی کیا شان ہے؟ پھر خود ہی بتایا کہ، جو قسمت کا مارا جو کا نشگا اس کی ۲۲ تاریخ کو کونڈے بھرے گا اس کی وہ مشکل دور ہو جائے گی۔ اگر نہ ہو تو قیامت میں آکر میرا گریبان پکڑ لینا۔ لکڑہارے کی بیوی نے سن کر ایسا کیا تو چند دنوں کے بعد اس کا خاوند سونا چاندی اور جواہرات کا انبار لے کر گھر آیا۔ اور نہایت ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گذارنے لگا۔ یہ وہ جھوٹی کہانی ہے جو شکم پرستوں نے گھڑ کر عوام سے حلوے مانڈے کھائے اور ان کا استحصال کیا۔ اس رسالے کے آخر میں پاک و ہند کے متعدد علماء کے دستخط ہیں جس میں انہوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ رجب کے کونڈوں کی کہانی محض بے اصل اور رسمِ خلافِ شرع اور بدعتِ محدثہ ہے"

روایات میں آیا ہے کہ جو قوم جتنی بدعات ایجاد کرے گی اس سے اتنی سنت کی سعادت چھن جائے گی یہی وجہ ہے کہ بدعتی لوگوں کی جھولی سنت کے گلدستہ سے عموماً خالی ہوتی ہے۔ یہ رسالہ قابل مطالعہ ہے بلکہ اس کو عام کیا جائے۔ (عزیز زبیدی)

(۴)

نام کتاب : دار الاسلام اور مودودی

تالیف : سید اسعد گیلانی

ناشر : اسلامی اکادمی۔ اُردو بازار۔ لاہور

صفحات : ۳۰۸

جلد : ریگزین، خوبصورت

قیمت : ۲۷/- روپے

"صوفیائے اسلام نے قدیم زمانے میں ایک خاص قسم کا ادارہ قائم کیا تھا جو اصحاب الصفہ کے نمونہ پر تھا۔ اس کا اصطلاحی نام خانقاہ مشہور ہے۔ آج یہ چیز بعض لوگوں کی بے اعتدالیوں کی بدولت بگڑ کر اتنی بدنما ہو گئی ہے کہ خانقاہ کا نام سنتے ہی طبیعت اس سے منحرف ہونے لگتی ہے مگر حقیقت میں یہ ایک بہترین انسٹی ٹیوشن تھا۔ جس سے اسلام میں بڑے بڑے آدمی پیدا ہوئے ہیں۔ ضرورت ہے اس قدیم انسٹی ٹیوشن میں وقت اور زمانہ کے لحاظ سے ترمیم کر کے از سر نو جان ڈالی جائے اور ہندوستان میں جگہ جگہ چھوٹی چھوٹی خانقاہیں ایسی قائم کی جائیں جن میں فارغ التحصیل

لوگوں کو کچھ عرصہ تک رکھ کر اسلام کے متعلق نہایت صالح لٹریچر کا مطالعہ کرایا جائے اور اس کے ساتھ وہاں ایسا ماحول ہو جس میں زندگی بسر کرنے سے ان کی سیرت خالص اسلامی رنگ میں رنگ جائے۔ اس انسٹی ٹیوشن میں کلب، لائبریری، اکیڈیمی اور آشرم کی تمام خصوصیات جمع ہونی چاہئیں اور اس کا صدر ایسا شخص ہونا چاہیے جو نہ صرف ایک وسیع النظر اور روشن خیال عالم ہو بلکہ اس کے ساتھ ہی ایک سچا اور مکمل عملی مسلمان بھی ہو تاکہ اس کی صحبت سے خانقاہ کے ارکان کی زندگیاں اسلامی سانچے میں ڈھل جائیں۔"

مندرجہ بالا اقتباس سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ایک مکتوب سے لیا گیا ہے جو انہوں نے ام جمادی الاولیٰ ۱۳۵۲ھ کو چوہدری نیاز علی خاں مرحوم کے نام لکھا تھا۔ اس اقتباس میں جس "جدید خانقاہ" کا تصور پیش کیا گیا ہے وہ عملی صورت میں "دارالاسلام" (پٹھان کوٹ) کی صورت میں سامنے آئی۔ چوہدری نیاز علی مرحوم نے "دارالاسلام" کی داغ بیل مفکر پاکستان علامہ اقبالؒ کے مشورے کے مطابق رکھی اور ان ہی کے ایما پر سید ابوالاعلیٰ مودودی کو "دارالاسلام" میں تشریف لانے کی دعوت دی۔ سید صاحب مارچ ۱۹۳۸ء میں یہاں آئے اور قیام پاکستان تک اپنے رفقاء کے ساتھ اس مثالی خانقاہ میں علمی، تعلیمی اور اصلاحی خدمات انجام دیں۔

"دارالاسلام" کی سکیم موجودہ غور وفکر کی متقاضی ہے۔

اولاً یہ سکیم علامہ اقبال کی فکر کا عملی اظہار تھی۔ جس میں سید مودودی کے ذہن نے رنگ بھرا ثانیاً اس اسکیم کے لیے جن "اہلِ فکر" نے اپنی صلاحیتیں صرف کیں ان میں سید مودودی کے ساتھ علامہ محمد اسد محمد صدیق مستری اور مولانا امین احسن اصلاحی جیسی شخصیات شامل ہیں۔ ثالثاً اس مثالی ادارے کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ کیا دارالاسلام اپنے مقاصد میں کامیاب ہوا؟ اس سے ہماری ملی زندگی میں کیا تبدیلی پیدا ہوئی؟ وغیرہ۔

یہ امر خوش آئند ہے کہ گذشتہ سال، اقبال کے حوالے سے سید مودودی اور ادارہ "دارالاسلام" زیر بحث آئے ہیں۔ صابر کلوروی نے اقبال کی سوانح حیات "یادِ اقبال" میں اس طرف توجہ دی ہے۔ مکتبہ تعمیر انسانیت۔ لاہور نے ایک کتابچہ "اقبال اور مودودی" شائع کیا جس کے مرتب نے ان دو حق آگاہ شخصیات کے روابط کا تذکرہ کرتے ہوئے "دارالاسلام" پر گفتگو کی۔ اب سید اسعد گیلانی صاحب کے قلم سے زیرِ نظر کتاب منصۂ شہود پر آئی ہے۔

گیلانی صاحب جماعت اسلامی پاکستان کے معروف راہنما اور دانش ور ہیں۔ وہ سید مودودی کے احوال وافکار پر ایک مستقل کتاب لکھ چکے ہیں۔ تحریکِ پاکستان کے حوالے سے انہوں نے "قائد اعظم، اقبال، مودودی اور تشکیلِ پاکستان" کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ہے۔ ان کی زیرِ نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی کڑی معلوم ہوتی ہے۔

کتاب دس ابواب اور چار ضمیموں پر مشتمل ہے۔ ابواب کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ اقبال کا فکری محور۔
۲۔ تعلیماتِ اقبال۔
۳۔ اقبال کی نظریاتی مملکت۔
۴۔ اقبال اور تجدید و احیائے دین۔
۵۔ اقبال اور تدوینِ جدید فقہ اسلامی
۶۔ اقبال، چوہدری نیاز علی، دار الاسلام اور مودودی
۷۔ تاریخی مراسلت (چوہدری نیاز علی اور مودودی)
۸۔ اقبال کا مردِ مومن اور مودودی کا مردِ صالح
۹۔ مولانا مودودی اور فریضہ اقامتِ دین
۱۰۔ مولانا مودودی اور تحریکِ اسلامی

جملہ ابواب باہم مربوط ہیں اور ہر باب فکر انگیز ہے۔ تاہم کتاب کے عنوان کے لحاظ سے چھٹا اور ساتواں باب بطورِ خاص اہم ہیں۔ ساتویں باب میں دار الاسلام کے بارے میں سید مودودی اور چوہدری نیاز علی خاں مرحوم کی تاریخی خط و کتابت ہے۔ چالیس مکتوبات پر مشتمل یہ باب کتاب کے ایک تہائی حصہ پر پھیلا ہوا ہے۔ ان مکتوبات سے (جو پہلی بار منظرِ عام پر آئے ہیں) ۱۹۳۶ء سے ۱۹۳۸ء تک سید مودودی کی سوچ، عزائم اور عمل کی ایک تصویر سامنے آجاتی ہے۔

۱۵ ر صفر ۱۳۵۶ھ کے ایک خط میں سید مودودی رقمطراز ہیں:

"میرے سامنے ایک بڑی مہم درپیش ہے جس میں مجھے ہمہ تن منہمک ہو جانا پڑے گا۔ میں نے اس مہم کی ابتدا محرم کے "ترجمان القرآن" سے کر دی ہے اور آئندہ چند مہینوں میں دیکھنا ہے کہ کتنے مددگار ملتے ہیں۔ بہرحال میں یہ تصفیہ کر چکا ہوں کہ خواہ سارے ہندوستان میں ایک بھی ساتھی نہ ملے میں

تنہا اپنی ذات سے اس جنگ کو شروع کروں گا اور آخر وقت تک جاری رکھوں گا۔ قطع نظر اس سے کہ کامیابی ہو یا نہ ہو۔ مسلمان کی اس وقت جو نازک حالت ہے اور جو خطرناک مستقبل ان کے سامنے ہے اس کو دیکھ کر میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ دس بیس سال ہندوستان میں اسلام کی قسمت کے لیے فیصلہ کن ہیں۔ اگر اس وقت ہم مدافعت کے لیے کھڑے نہ ہوئے تو چند سال بعد ہم کو سکون کا کوئی گوشہ نہ ملے گا جہاں بیٹھ کر ہم کوئی تعمیری کام کر سکیں۔"

سید مودودی نے "ترجمان القرآن" کے شمارہ محرم ۱۳۵۶ھ / مارچ ۱۹۳۷ء سے جس مہم کا آغاز کیا اس کے لیے انہیں رفقائے کار ملتے چلے گئے اور ۱۹۴۱ء میں ۷۲ افراد نے "جماعت اسلامی" کے نام سے اپنے آپ کو منظم کر لیا۔

ایک اور اقتباس!

سید مودودی حیدر آباد دکن سے ہجرت کر کے دار الاسلام آ رہے ہیں اور چوہدری نیاز علی خاں بغرضِ حج دیارِ حبیب جا رہے ہیں۔ انہیں لکھتے ہیں:

"میری یہ درخواست یاد رکھیئے کہ حرمِ الٰہی اور حرمِ نبوی دونوں جگہ میرے لیے خلوصِ نیت اور نورِ ہدایت فرمائے جانے کی دعا کریں۔ میں ایک کمزور انسان ہوں اور محض خدا کے فضل پر بھروسہ کر کے ایک بہت بڑے کام کی ذمہ داری اپنے اوپر لے رہا ہوں۔ اگر خدا کا فضل شاملِ حال نہ ہوا تو کوئی چیز مجھے دین و دنیا کی رسوائی سے نہ بچا سکے گی۔"

سیّد مودودی کے مکتوبات میں ایسے کئی اقتباسات ملتے ہیں۔ جن میں ان کی سوجھ اور فکر واضح ہوتی ہے۔ گیلانی صاحب قابلِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے ماضی قریب میں مسلمانانِ برصغیر کے فکری ارتقاء کے ایک مرحلے سے عام قارئین کو روشناس کیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب کے دوسرے صفحہ پر بجا طور پر لکھا گیا ہے کہ علمی تحقیق ایک سائنٹیفک عمل ہے دورانِ مطالعہ مندرجہ ذیل فروگزاشتیں محسوس ہوئی ہیں:

۱۔ ماخذ و مراجع کی کوئی فہرست نہیں بنائی گئی۔

۲۔ کتاب سے حوالہ نقل کرنے میں مروجہ اصولوں کو پیشِ نظر نہیں رکھا گیا۔ جن کتابوں سے اقتباسات

لیے گئے ہیں اکثر و بیشتر ان کے متعلقہ صفحات کا ذکر نہیں کیا گیا۔

۳۔ متن میں کئی ایسے نام آئے ہیں جو عام قاری کے لیے جانے پہچانے نہیں۔ ان کا مختصر تعارف حواشی میں ہونا چاہیئے تھا۔

۴۔ اعلام، اماکن یا اداروں کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں ہے۔

۵۔ غیر ضروری تکرار پائی جاتی ہے بطور خاص چھٹے باب میں۔

۶۔ کتابت کی اغلاط بہت زیادہ ہیں۔

متذکرۃ الصدر تکنیکی فروگذاشتوں کے ساتھ مندرجہ ذیل واقعاتی خامیاں ہیں۔

۱۔ پہلے ضمیمے میں علامہ اقبال کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ ابتدائی مدرسہ کی تعلیم سے لے کر کالج تک وہ ہمیشہ ہی کلاس میں اول آتے رہے۔" (ص ۲۵۲) یہ بیان درست نہیں۔

۲۔ "پاکستان ان ہی علاقوں میں قائم ہوا جن کی علامہ اقبال نے اپنی زندگی میں نشاندہی کر دی تھی۔" (ص ۲۵۴) یہ بیان بھی محل نظر ہے۔ علامہ کے خطبہ میں اصولی طور پر مسلم ہند کا تصور موجود ہے "مشرقی پاکستان" کے علاقوں کا ذکر نہیں۔

۳۔ دوسرے ضمیمے میں سید مودودی کے احوال و افکار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں لکھا گیا ہے کہ "انہوں نے دوسرا کام یہ کیا کہ ترجمان القرآن کے نام سے ایک ماہوار رسالہ جاری کیا یہ رسالہ ۱۹۳۲ء میں شروع کیا گیا۔"

"ترجمان القرآن" کا آغاز مولوی ابو محمد مصلح مرحوم نے کیا تھا۔ ابتدائی چھ پرچے ان ہی کی ادارت میں چھپے تھے۔ ساتویں پرچے سے ادارت مولینا مودودی نے سنبھالی۔

۴۔ تیسرے ضمیمے میں چوہدری نیاز علی خاں کا ذکر ہے۔ ان کے خاندان کے قبول اسلام کے بارے میں دو باتیں کہی گئی ہیں۔ پہلے یہ کہا گیا ہے کہ ان کا خاندان چوہدری صاحب سے تین پشت اوپر مسلمان ہوا تھا۔ (ص ۲۷۲)، پھر یہ کہا گیا ہے کہ ان کے خاندان میں مذہب اسلام سولھویں صدی کے وسط میں داخل ہوا تھا (ص ۲۷۳)

ان دونوں باتوں میں تطبیق مشکل ہے کیونکہ عموماً تین پشتیں تو ایک صدی میں گزر جاتی ہیں۔

بعض امور تشنۂ تحقیق رہ گئے ہیں۔

۱۔ سید مودودی مارچ ۱۹۳۸ء میں دار الاسلام تشریف لائے تھے اور آغاز ۱۹۳۹ء میں لاہور

منتقل ہو گئے تھے۔ مولانا نے اس ترکِ سکونت کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

"۳۹ء کے آغاز میں بعض وجوہ سے میں دارالاسلام چھوڑ کر لاہور

آگیا"۔ (ص ۲۸۲)

بہتر ہوتا کہ گیلانی صاحب "ان وجوہ" پر روشنی ڈالتے۔ یہ وہ دور ہے جب سید مودودی نے "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش" کا تیسرا حصہ لکھنا شروع کیا تھا۔

مولانا مودودی تشکیلِ جماعت اسلامی کے بعد دوبارہ "دارالاسلام" تشریف لے گئے تھے دوبارہ دارالاسلام میں سکونت کیوں اور کن شرائط پر کی گئی؟

۲۔ "دارالاسلام" کا تجربہ کس قدر کامیاب رہا؟ اس پر کھل کر نہیں لکھا گیا۔ امید ہے کہ آئندہ ایڈیشن میں یہ معمولی خامیاں درست کر دی جائیں گی۔ (اختر راہی)

(۵)

نام کتاب: تعلیم القرآن

تالیف: مولانا محمد ادریس صاحب ندوی

ضخامت: ۱۵۸ صفحات (بڑا سائز)

کاغذ، کتابت، طباعت: نہایت اعلیٰ

قیمت: ۴ روپے ۵۰ پیسے

ناشر: مکتبہ خاور۔ مسلم مسجد۔ لاہور

یہ کتاب اگرچہ بنیادی طور پر بچوں کے لیے لکھی گئی ہے لیکن اس سے ہر عمر کے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کتاب میں فاضل مؤلف نے سو سے زائد عنوانات کے تحت قرآن کریم کی دینی و اخلاقی تعلیمات نہایت دلنشین انداز میں بیان کی ہیں چند عنوانات یہ ہیں:

ماں باپ کے ساتھ برتاؤ۔ اولاد کے ساتھ برتاؤ۔ لباس کا ادب۔ بات چیت کا ادب۔ سچائی۔ سخاوت۔ امانت۔ انصاف۔ نرم دلی۔ تواضع۔ ایثار۔ اعتدال۔ غیبت۔ بہتان۔ خیانت۔ تمسخر۔ رشوت۔ سود خوری وغیرہ۔

ہر عنوان کے تحت موضوع سے متعلق قرآن حکیم کی ایک آیت لکھی گئی ہے اور اس کے نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات واعمال کی روشنی میں اس کی تشریح و تفسیر کی گئی ہے اس طرح یہ کتاب اسلام کی دینی اور اخلاقی تعلیمات کا ایک ایسا گلدستہ بن گئی ہے جس کے پھولوں

کی رنگت سے نظر کو طراوت حاصل ہوتی ہے۔ اور جن کی خوشبو سے مشامِ جان معطر ہوتا ہے۔

کتاب کے عنوانات اور اندازِ نگارش کو دیکھ کر ہمیں یہ تسلیم کرنے میں تامل ہے کہ یہ کتاب بچوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ چھوٹی عمر کے بچے تو اس کا بیشتر حصہ سمجھ ہی نہ پائیں گے۔ البتہ بڑی عمر کے بچے اور دوسرے لوگ اس سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اپنے موضوع پر بلاشبہ یہ ایک بلند پایہ اور نہایت عمدہ کتاب ہے۔

فاضل مؤلف اس کی تالیف کے لیے اور مکتبہ خاور اس کی دیدہ زیب کتابت وطباعت کے لیے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ دورِ حاضر کا تقاضا ہے کہ ہر مسلمان گھرانے میں اس کتاب کی ایک جلد ضرور موجود ہو۔

کتاب میں بعض آیات اعراب کے بغیر کتابت ہوئی ہیں۔ امید ہے آئندہ ایڈیشن میں اس کمی کو دور کر دیا جائے گا۔

(۶)

مجلہ : "صوت الاسلام" سالنامہ

مرتبہ : رابطۃ الطلاب المالدیفیین

جامعہ سلفیہ، فیصل آباد

ضخامت ۱۲۸ صفحات بڑا سائز۔ قیمت درج نہیں ہے۔

پاکستان کی عظیم الشان دینی درسگاہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اس درسگاہ کو عالمگیر شہرت حاصل ہے اور اس چشمۂ فیض سے نہ صرف پاکستان بلکہ دوسرے ممالک کے طلبہ بھی سالہا سال سے سیراب ہو رہے ہیں۔ جزائر مالدیپ کے بہت سے طلبہ بھی اس جامعہ میں زیرِ تعلیم ہیں۔ ان طلبہ نے اپنی ایک انجمن بنا رکھی ہے جس کا نام "رابطۃ الطلاب المالدیفیین پاکستان" ہے۔ یہ انجمن باقاعدگی سے ایک رسالہ "صوت الاسلام" شائع کر رہی ہے جو دینی مضامین پر مشتمل ہوتا ہے۔ زیرِ نظر پرچہ اس مجلہ کا چوتھا سالنامہ ہے۔ جس کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۹۳ صفحات مالدیپی زبان میں لکھے ہوئے مضامین پر مشتمل ہیں، ۱۱ صفحات اردو اور ۲۴ صفحات انگریزی زبان کے مضامین کے لیے وقف کیے گئے ہیں۔ تمام مضامین بڑی محنت اور جذبۂ صادق کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ اور مرتبین نے سالنامہ کی ترتیب وتدوین میں بڑے سلیقہ سے کام لیا ہے۔ ہم مالدیپ کے فرزندانِ اسلام کو تہِ دل سے مبارکباد دیتے ہیں کہ وہ اپنے وطن سے اتنی دور آ کر دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور پھر اپنے وقت کا کچھ حصہ ایسے مفید علمی کاموں کے لیے بھی نکال لیتے ہیں۔

(طالب ہاشمی)

کمالِ عبدیّت

★ طاہر قریشی

پیکرِ لازوالِ عبدیّت — آپ ہی ہیں کمالِ عبدیّت
آپ ہی کے ظہور سے قائم — آبروئے جمالِ عبدیّت

آپ کے دم سے بن گئی ہے گہر — بے حقیقت، سفالِ عبدیّت
ہو گئی آپ کے توسّل سے — عرش پیما، مجالِ عبدیّت

بن گئے آپ عرش کی زینت — اللہ اللہ کمالِ عبدیّت
تربیت کی خدا نے کچھ ایسی — بن گئے آپ حالِ عبدیّت

آپ ہی نے اُسے سنبھال لیا — ہو رہا تھا زوالِ عبدیّت
بن کے رحمت عطا ہوئی ہم کو — ذاتِ اقدس مثالِ عبدیّت

آپ ہی تو ہیں سرورِ کونین — ہاں بفیضِ جلالِ عبدیّت
آپ ہی ہیں فقط خدا کی قسم — منتہائے کمالِ عبدیّت

ہوتا شامل نہ آپ کا جو کرم — تھا دگر گوں مآلِ عبدیّت

آپ کے فیضِ خلق سے طاہرؔ
ہو گئی خوش خصالِ عبدیّت

Regd. No. L. 7895 Phones : 352897 - 63210

Monthly MOHADDIS Lahore-16

ISLAMIC RESEARCH COUNCIL

★ عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں ——— لیکن تعصبات سے بالاتر ہو کر افہام و تفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

★ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی اِرتقا کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں ——— لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

★ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے ——— لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

★ تبلیغِ دین اور نشر و اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے ——— لیکن حرام و حلال کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی رُوح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

★ آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے ——— لیکن

ع جُدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

★ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے ——— لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

◎

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو:

مُحدّث

کا مطالعہ فرمایئے۔ آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزیّن پائیں گے ان شاء اللہ۔ کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

زرِ سالانہ ۱۵ روپے

فی پرچہ ۱/۵۰ روپے